ضمیمہ موجباتِ اپیل

بر فیصلہ

وفاقی شرعی عدالت

متعلّقہ

صدارتی آرڈیننس XX / 1984

عرضِ حال

کچھ عرصہ ہوا بعض احمدی وکلاء نے اذان وغیرہ پر پابندی کے بارہ میں صدارتی آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا تھا عدالت نے پہلے ایک مختصر فیصلہ کے ذریعہ درخواست خارج کردی اور بعد ازاں ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ایک طویل فیصلہ تحریر کیا۔ فیصلہ کا بیشتر حصہ ایسے امور پر مشتمل تھا کہ وہ عدالت میں زیر بحث نہیں آئے تھے یا جن کا مقدمہ کے فیصلہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ عدالت کا فیصلہ وسیع پیمانہ پر شائع کیا جا چکا ہے اور اس طرح جماعت احمدیہ کے خلاف مواد کی اشاعت و تشہیر ہو رہی ہے۔

جن وکلاء نے وفاقی شرعی عدالت میں آرڈیننس کو چیلنج کیا تھا ان کی طرف سے سپریم کورٹ میں اپیل داخل کی گئی ہے اور فیصلہ کا یہ غیر متعلقہ حصہ حذف کرنے کی درخواست کی گئی ہے مگر جن اُمور پر عدالت نے تبصرہ کیا ہے اُن کے بارہ میں ایک مختصر اور اصولی جواب دیا گیا ہے جو عدالت نے اپنے فیصلہ میں اٹھائے تھے مگر یہ جواب ایک عام پڑھے لکھے احمدی کی علمی سطح پر ہی دیئے گئے ہیں نیز یہ جوابات لکھتے وقت وکلاء کے پیش نظر وقت کی قلت اور اپیل کے حجم اور ضخامت کو کم رکھنے کے تقاضے بھی پیش نظر رہے ہیں۔ یہ محض اصولی جوابات ہیں اور اس لحاظ سے تشنہ ہیں کہ بہت سی تفصیلات اور متعدد علمی نکات اور علم کلام کے مسائل اس میں شامل نہیں ہیں۔

وکلاء کی طرف سے داخل کئے گئے ضمیمہ کو بغیر کسی اضافہ یا حاشیہ کے شائع کیا جا رہا ہے۔

خاکسار

مرزا نصیر احمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

بعدالت عظمیٰ پاکستان

شریعت اپیل بنچ

مجیب الرحمٰن
مبشر لطیف احمد
مرزا نصیر احمد
حافظ مظفر احمد

سائلان **بنام**

وفاقی حکومت پاکستان
بذریعہ اٹارنی جنرل

درخواست زیر آرڈر 33 رول 6 سپریم کورٹ رولز مجریہ 1980ء بدیں امر کہ وفاقی شرعی عدالت کے مفصّل فیصلہ مورخہ 28/10/84 کے بعض حصے فیصلہ سے حذف کئے جانے کا حکم صادر فرمایا جاوے

سائلان حسب ذیل عرض پرداز ہیں:۔

1 - یہ کہ سائلان نے وفاقی شرعی عدالت کے روبرو ایک درخواست آئین کے آرٹیکل 203D کے تحت قادیانی آرڈیننس مجریہ 1984ء کو خلافِ قرآن وسنّت قرار دیئے جانے کی بابت داخل کی جو شریعت پٹیشن نمبر 17-i کے طور پر رجسٹر ہو کر زیر سماعت آئی۔

2 - یہ کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے مختصر حکم مورخہ 12/8/84 کے ذریعہ درخواست مذکورہ بالا خارج کر دیا اور مفصّل حکم مورخہ 28/10/84 کو سنایا جو 224 صفحات پر مشتمل ہے۔

3 - یہ کہ مفصّل حکم کافی تاخیر سے لکھا گیا۔ لہٰذا سائلان نے مختصر حکم 12/8/84 پر بنا کر کے 10/10/84 کو ایک اپیل زیر آرٹیکل 203-F اس فاضل عدالت کے روبرو داخل کر دی جو شریعت اپیل 25/84 کے طور پر درج ہو چکی ہے۔ اب مفصّل فیصلہ کی بنیاد پر مزید اور تفصیلی موجباتِ اپیل داخل کی جا رہی ہیں۔

4 - یہ کہ وفاقی شرعی عدالت کے مفصّل فیصلہ مورخہ 28/10/84 کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے بیشتر حصّے غیر ضروری، غیر متعلق اور دلآزار مواد پر مبنی ہیں اور سائلان کے علاوہ پاکستان کے شہریوں کی ایک بڑی تعداد کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ مذکورہ حصّہ جات زیر بحث آرڈیننس کے جواز یا بطلان کے تصفیہ کے لئے کسی طرح بھی متعلق اور ضروری نہ تھے۔

5 - یہ کہ وفاقی شرعی عدالت نے ایک فریق مقدمہ کے خلاف غیر ضروری، غیر ثقہ، مذہبی تعصّب پر مبنی اور دلآزار اور مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والا مواد ناروا طور پر فیصلہ میں شامل کیا اور اس کی تشہیر کا باعث بنی اور ایک عدالتی فیصلہ کے لبادہ میں ایک فریقِ مقدمہ کے نقطہ نظر کو یکطرفہ طور پر شائع کرنے کا موقع بہم پہنچایا جو عدالتی منصب اور طریقِ کار کے بیجا استعمال کے مترادف ہے۔لہٰذا فیصلہ کے مذکور حصّہ جات اس قابل ہیں کہ انہیں فیصلہ سے حذف کئے جانے کا حکم صادر فرمایا جائے۔

6 - یہ کہ عدالت کے مفصّل فیصلہ کے وہ حصّہ جات جو حذف کئے جانے کے لائق ہیں اور جو فیصلہ کے صفحات 9 سے لیکر 152 تک پھیلے ہوئے ہیں ان کی تفصیل اور ان کے حذف کئے جانے کی وجوہات درج ذیل ہیں:-

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ کا ایک حصہ حضرت مرزا صاحب کی ذات، آپ کے دعاوی اور آپ کی پیشگوئیوں پر تبصرہ کرنے میں صرف کیا، حالانکہ وفاقی شرعی عدالت کے سامنے زیرِ غور سوال صرف یہ تھا کہ آیا قادیانی آرڈی ننس (مجریہ ۱۹۸۴ء) خلافِ قرآن وسنّت ہے یا نہیں؟ سائلان کی طرف سے مفصل بحث اسی نقطۂ نگاہ سے کی گئی تھی کہ زیرِ نظر آڈی ننس کس طرح قرآن وسنّت کے واضح احکام اور اصولوں سے متصادم ہے۔آرٹیکل 203-D کی حدود کے اندر رہتے ہوئے عدالت صرف اس امر کا فیصلہ کرنے کی پابند تھی کہ آیا آرڈیننس فی الواقعہ قرآن وسنّت کے خلاف ہے یا نہیں؟ کسی فریق کے عقائد نہ تو زیرِ بحث تھے، نہ ہی درخواست کے فیصلہ سے انکا کوئی تعلق تھا۔سائلان جماعت احمدیہ کے افراد ہیں اور علیٰ وجہ البصیرت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ دعاوی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق صدقِ دل سے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فرزند، خادم اور غلام اور مسیح موعود و مہدی معہود تسلیم کرتے ہیں۔سائلان کو اپنے ایمان کی کوئی تصدیق عدالت سے مطلوب نہ تھی اور نہ ہی سائلان عدالت سے یہ پوچھنے گئے تھے کہ حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچّے ہیں یا نعوذ باللہ جھوٹے؟ اسی طرح سائلان کو عدالت کے ایمان اور اعتقاد کے بارہ میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔سائلان خوب واقف تھے کہ عدالت کے جملہ ارکان حضرت مرزا صاحب کے انکار کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں سائلان اس بات سے بھی خوب آگاہ تھے کہ جملہ ممبرانِ عدالت حضرت مرزا صاحب کے انکار اور تکفیر کا حلف اُٹھا کر ہی عدالت کے منصب بالا تک پہنچے ہیں۔لہٰذا نہ تو سائلان کا منشاء عدالت سے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر کوئی فیصلہ حاصل کرنا تھا اور نہ قانون کی رُو سے عدالت کو کوئی ایسا اختیار حاصل تھا۔

اسی طرح سے سائلان کی درخواست کے فیصلہ کی لئے یہ بات قطعاً غیر متعلق تھی کہ آیا احمدی مسلمان ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اگر عدالت احمدیوں کے عقائد سے پوری طرح مطمئن ہو بھی جاتی تو بھی ۱۹۷۴ء کی ترمیم کو غلط اور کالعدم قرار دینے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔لہٰذا مسلم وغیر مسلم کی بحث قطعاً غیر متعلق تھی اور جیسا کہ عدالت کے فیصلہ کے صفحہ 8 پر درج ہے۔سائلان کی طرف سے یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ یہ سوال اُٹھانا نہیں چاہتے کہ آیا قادیانی مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟ سائلان نے واضح اور دوٹوک موقف اس لئے اختیار کیا تھا کہ آرٹیکل نمبر 203 کی عائد کردہ پابندی کی وجہ سے عدالت دستوری ترمیم پر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہ رکھتی تھی نیز کوئی بھی عدالت ایمانیات اور اعتقادات کے بارہ میں فیصلہ صادر کرنے کی مجاز نہیں اور نہ ہی کسی عدالت کا یہ حق تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایمانیات پر کوئی فیصلہ صادر کرے کیونکہ ایمانی امور کا معاملہ خدا اور بندے کے درمیان ہے اور کوئی عدالت نہ اس میں دخل دے سکتی ہے اور نہ کسی عدالت کا یہ اختیار تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کی قبا اوڑھ کر مسندِ انصاف پر بیٹھے اور سائل کو اعتقادی طور پر فریقِ مخالف قرار دے کر اس کے عقائد کو متّہم کرے یا اُن پر رائے زنی کرے۔

وفاقی شرعی عدالت کلیتہً ایسے ارکان پر مشتمل تھی جو احمدی نہیں تھے اور عقیدتاً اس بات پر مجبور تھے کہ وہ مرزا صاحب کو سچا نہ سمجھیں اور یوں اعتقادی لحاظ سے گویا ایک فریق تھے مگر نہ تو ان کا عقیدہ فیصلے کی بنیاد بن سکتا تھا اور نہ ہی کوئی متنازع امر زیرِ بحث آ سکتا تھا۔

زیرِ بحث سوال صرف قرآن وسنّت کی تعبیر اور نفاذ کا جو فریقین میں مسلّمہ قدرِ مشترک ہے اور قانون بھی اسی کو فیصلے کا معیار ٹھہراتا ہے۔لہٰذا فیصلہ کلیتہً قرآن وسنّت کی تعبیر پر مبنی ہونا چاہیئے تھا اور عقائد کی بحث قطعاً غیر متعلق تھی۔ورنہ اگر کسی ایک فرقے کے افراد پر مشتمل عدالت دوسرے فرقے کے اعتقادات پر رائے زنی کرنے لگے اور اپنے متنازع فیہ اعتقادات کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنے لگے تو انصاف ناممکن الحصول ہو جائے مثلاً خود وفاقی شرعی عدالت میں شیعہ حضرات کی طرف سے بعض قوانین کو خلافِ قرآن وسنّت قرار دیئے جانے کی درخواستیں داخل کی ہوئی ہیں۔کیا ان درخواستوں کا فیصلہ کرتے وقت سنّی العقیدہ منصفین کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے فیصلہ میں شیعہ عقائد کی بحث اٹھائیں اور یہ فیصلہ صادر کرنے کی سعی فرمائیں کہ شیعہ اپنے عقائد میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ خلافتِ بلافصل کا عقیدہ درست ہے یا غلط؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دیگر خلفائے راشدین کے مقابل پر کیا حیثیت تھی؟

کیا سنّی العقیدہ عدالت سیّدنا حضرت ابوبکرؓ کے بارہ میں شیعوں کے اقوال لکھ کر یہ کہنے کی مجاز ہوگی کہ ایسے خیال والے لوگ ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتے اور کیا عدالت علامہ ابن نُجیم کی کتاب بحرالرائق (جلد ۵ صفحہ ۱۳۶-مطبوعہ مصر) پر انحصار کر کے شیخین کی دُشنام دہی اور ان پر طعن کی بنیاد پر فتاویٰ عالمگیری (جز نمبر ۲ صفحہ ۲۸۳) پر انحصار کر کے

''حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما'' کی خلافت کے انکار کی وجہ سے شیعوں کو کافر قرار دے دے گی۔

کیا یہ درست اور جائز ہوگا کہ سنّی علمائے کرام کے متفقہ فتوے کے حوالے سے شیعوں کو ''مرتد اور کافر قرار دے کر'' یہ قرار دے کہ ''ان سے مناکحت اور تعلقات رکھنا حرام ہے'' اور یہ کہ اُن کی ''شادی غمی جنازہ میں شرکت ہرگز نہ کی جائے'' کیونکہ ''ایسے عقیدہ کے شیعہ کافر ہی نہیں بلکہ اکفر ہیں''۔اور اثنا عشریہ شیعہ خارج از اسلام ہیں (علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ ناشر مولوی محمد عبدالشکور مدیر انجم لکھنؤ)

کیا سنی العقیدہ حنفی عدالت فیضانِ دارالعلوم حزب الاحناف کا یہ فتویٰ نقل کرے گی کہ ''جو شخص سیّدنا ابوبکر صدیق اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو (نعوذ باللہ) منافق، غاصب اور شیطان کہتا ہے وہ کافرومرتد ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے''

اور کیا یہ درست ہوگا کہ عدالت صدر الشہید کا یہ قول نقل کرے کہ ''جو شیخین کو بُرا کہے یا ان پر لعنت کرے وہ کافر ہو جائیگا اور اس کا قتل کرنا واجب ہے (مُرتد کو قتل کرنا حاکم کا کام ہے) اور اس قسم کے بدعقیدہ اور گمراہوں کے حق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ مت بیٹھو۔مت کھاؤ۔مت پیئو۔نماز جنازہ نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز مت پڑھو۔ان کی بیمار پرسی نہ کرو لہٰذا ایسے بھائیوں سے میل جول رکھنا جائز نہیں اور نہ ان کو مسلمان سمجھنا روا'' (فتویٰ مولوی ابوالریان محمد رمضان وابوالبرکات سید احمد ناظم ومفتی دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور حوالہ از ''شیعہ سنی اتحاد کے لئے مخلصانہ اپیل'' مرتبہ ابویزید محمد دین بٹ چوک شہید گنج لنڈا بازار لاہور)

ظاہر ہے کہ شیعوں کے خلاف فتاویٰ کا اس سوال سے کوئی تعلق نہیں ہوگا کہ وہ قانون جسے کوئی شیعہ خلافِ قرآن وسنّت خیال کر رہا ہے اسے اس بنیاد پر جائز قرار دے دیا جائے کہ ان کے عقائد غلط ہیں اور ان کی تکفیر لازم۔اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر سائلان کی درخواست پر یہ بحث اُٹھانا کہ ان کے عقائد یا حضرت مرزا صاحب کے دعاوی غلط ہیں اور ان سے تکفیر لازم آتی ہے واضح طور پر غلط طرز استدلال ہے

اسی طرح سے اگر عدالت کے جملہ اراکین بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں اور کوئی سائل دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو اور کسی قانون کو خلافِ قرآن وسنت ہونے کی وجہ سے اس عدالت میں چیلنج کر دے تو کیا بریلوی منصفین اس بات میں حق بجانب ہوں گے کہ دیوبندیوں کے خلاف جناب احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ درج کر کے یہ قرار دیں کہ ''یہ سب کے سب مرتد ہیں''۔''باجماعِ اُمّت اسلام سے خارج ہیں''۔''ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال''۔''یہ گمراہان گمراہ گر فاجر کافر دین سے خارج''۔''بدمذہب مفسد گمراہ طاعت سے نکلے ہوئے دہریے دین سے خارج سو کافروں سے دین میں ان کی مضرت سخت تر'' ہے۔(حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین صفحہ ۷۳ تا ۷۶ مصنفہ مولوی احمد رضا خان بریلوی مطبع اہلِ سنت جماعت بریلوی)

اور کیا اسماعیل خلیلی عالم مکہ کے اس فتویٰ پر انحصار ہوگا جس میں دیوبندیوں کے بارہ میں قادیانیوں کے ساتھ بیک قلم یہ فتویٰ دیا گیا کہ ''جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں''۔(حسام الحرمین صفحہ ۱۳۱ یا ۱۳۴)

اور کیا مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبہی اور اشرف علی تھانوی اور اُن کے ساتھ والوں کے خلاف عبدالکریم طرابلسی حنفی کے قول کے مطابق ''اُن پر کفر کا حکم ہوگا اور مُرتدوں کی طرح اُنکو قتل کر دیا جائیگا؟'' (حسام الحرمین صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹)

کیا بریلوی منصفین اس بنیاد پر دیوبندیوں کی درخواست خارج کر دیں گے کہ چونکہ اُن کے عقائد سے کفر لازم آتا ہے لہٰذا جس قانون کو وہ خلافِ قرآن وسنت ہونے کی بنیاد پر چیلنج کر رہے ہیں وہ خلافِ قرآن وسنت نہیں رہا۔اسی طرح اگر بریلوی مکتب فکر کا کوئی سائل کسی قانون کو خلافِ قرآن وسنت ہونے کی بنیاد پر چیلنج کرے اور عدالت کے ارکان دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں تو کیا ان کے لئے یہ جائز اور روا ہوگا کہ وہ قرآن وسنت کی بحث اُٹھانے کے بجائے بریلویوں کے خلاف لکھی گئی کتابوں سے دیوبندی حضرات کے فتاویٰ فیصلہ میں شامل کریں اور کہیں کہ فتاویٰ رشیدیہ کے مطابق ''جب انبیاء کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ بھی کہنا نا جائز ہوگا۔اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دُور سے سُنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے'' (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۹۰ جلد ۳) یا کیا عدالت یہ فیصلہ کرے گی کہ مولوی فردوس علی قصوری کے فتویٰ کے مطابق ''حضور کو حاضر و ناظر عالمِ غیب ماننے والے سب کافر و مشرک ہیں'' (فتویٰ مولوی فردوس علی قصوری از الصلوٰۃ والسلام صفحہ ۱۲ بحوالہ کتاب ''علمائے دیوبند'' از علامہ محمد شریف نوری) یا دیوبندیوں کے شیخ القرآن مولوی غلام اللہ خان کے فتویٰ کے مطابق قرار دے گی کہ ''حضور کو حاضر ناظر جاننے والے پکّے کافر ہیں۔جو ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے اور انکا نکاح کوئی نہیں'' (جواہر القرآن صفحہ ۶۰ مولوی غلام خان راولپنڈی) اور ''جو نہیں کافر و مشرک نہ کہے وہ بھی ایسا ہی کافر ہے'' (جواہر القرآن صفحہ ۷۷)

اگر ایسا طرزِ استدلال درست نہیں تو پھر فاضل عدالت کا اپنے فیصلہ میں 152 صفحات تک محض سائلان کے عقائد یا مرزا صاحب کے دعاوی کو زیرِ بحث لانا الٹی منطق اور انصاف کا خون ہے۔

دراصل کسی قانون یا آرڈیننس کے قرآن وسنت کے احکام کی روشنی میں جواز یا بطلان کی بحث میں کسی فریق کے عقائد کو زیرِ بحث لانا ہی غلط اور غیر ضروری ہے۔ آرٹیکل نمبر D-203 میں کوئی بھی شہری کسی قانون کو اس بنیاد پر چیلنج کر سکتا ہے کہ وہ قرآن سنت کے اصولوں سے متصادم ہے۔ اگر پاکستان کا کوئی عیسائی کسی قانون کو D-203 کے تحت چیلنج کرے تو اس کے عقائد زیرِ بحث نہیں آئیں گے صرف قرآن وحدیث ہی زیرِ بحث آئیں گے۔ یہ اصول اتنا واضح اور روشن ہے کہ اس کے لیئے کسی دقیق نکتہ رسی کی ضرورت نہیں۔ اسی سوال کو ذرا وسیع تناظر میں دیکھیں تو بات اور واضح ہو جائیگی۔ اگر عیسائی ملک میں مسلمان اقلیت کی دینی سرگرمیوں پر کوئی قانونی قدغن عائد کر دی جائے اور مسلمان اس بنیاد پر اُسے چیلنج کریں کہ ایسا قانون اس ملک کی مسلّمہ دستوری بنیادوں کے خلاف ہے تو کیا عدالت کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کردہ تمام ایسے ناپاک اور گندے اور ذلیل اعتراضات جو عیسائی مستشرقین نے کیئے ہیں اپنے فیصلہ میں جڑ دیں جنکے پڑھنے سے خون کھولتا اور جن کے بیان سے زبان لرزتی اور جن کے لکھنے سے قلم لڑکھڑاتا ہے۔

مثلاً کیا اس عیسائی عدالت کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے ملک کی آئینی قدروں پر فیصلہ کرنے کے بجائے پادری رانکلین (دافع البہتان مصنفہ پادری رانکلین مطبوعہ مشن پریس الہ آباد ۱۸۴۵ء*) سے ہم زبان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہرزہ سرائی کرے اور اس کو فیصلہ کی بنیاد بنائے۔ اور کیا اس عیسائی عدالت کے لئے جائز ہو گا کہ وہ مظلوم اور بے بس اور اقلیت میں بسنے والے مسلمان سائل کی درخواست پر پادری ٹھاکر داس (سیرت المحمد والمسیح مصنفہ ٹھاکر داس مشنری امریکن مشن ۱۸۸۲ء*) کی کتاب پر انحصار کرے یا پادری ولیم آف ریواڑی کی کتاب (محمد کی تواریخ کا اجمال مطبوعہ کرسٹین مشن ریواڑی ۱۸۹۱ء) میں ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیئے گئے اعتراضات نقل کرے۔ (* نوٹ: ان جملہ حوالوں کی زبان ایسی ہے کہ ان کا یہاں نقل کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ البتہ نکتہ زیرِ بحث کی وضاحت کے لئے حوالوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ عدالت کا اندازِ فکر غیر مسلم معترضینِ اسلام کا سا ہے)

اور کیا عدالت کے لئے جائز ہوگا کہ وہ پادری اورنگ واشنگٹن (سوانح عمری محمد صاحب مصنفہ اورنگ واشنگٹن ترجمہ لالہ رلیا رام گھولاٹی مطبوعہ مطبع اڑور بنس لاہور) کے حضور محمد مصطفٰے کے بارے میں دلآزار حوالے لکھ کر اپنے ملک کے غریب اور بے بس مسلمانوں کی دلآزاری کرے۔ اور کیا انصاف سے دور کا لگاؤ رکھنے والا شخص اس بات کو جائز قرار دیگا کہ وہ عیسائی عدالت مسلمان کی درخواست پر فیصلہ کرتے ہوئے پادری راجرس (تفتیش الاسلام مصنفہ پادری راجرس صفحہ ۵۶، ۵۷، ۶۵، ۹۷) کی تحریرات کو بنیاد بنا کر وہ تمام ذلیل اور گندے اعتراضات جنہیں پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے، زبان کانپتی اور خون کھول اُٹھتا ہے، آنکھیں چھلک جاتی ہیں، وہ یہ سب کفریہ اور دلآزار کلمات نقل کر کے یہ قرار دے کر چونکہ ہمارے پادریوں نے مسلمانوں کے رسول کے بارہ میں یہ کچھ لکھا ہے لہٰذا ہماری اپنی بنیادی دستوری قدروں سے قطع نظر ہم اس قانون کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں جو مسلمانوں پر پابندی کے لئے بنایا گیا ہے۔ اگر نہیں تو پھر وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار کہاں سے ملا اور قانون، منطق اور شائستگی کے کن اُصولوں پر بنیاد کر کے عدالت نے احمدیوں کے عقائد اور حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر تمسخر اور استہزاء کے انداز میں قلم اُٹھانے کو جائز سمجھا اور روا رکھا۔

عدالتی اصول وروایات اور روحِ انصاف کا فتویٰ یہی ہوگا کہ بحث اور استدلال کا یہ انداز سراسر غیر ضروری اور غیر متعلق تھا مگر عدالت نے تمام عدالتی اُصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسے متعدد امور فیصلہ میں داخل کیے جو مسئلہ زیرِ بحث کے فیصلہ کیلئے قطعاً غیر ضروری تھے۔ عدالت خود ایک فریقِ مقدمہ بن گئی اور یکطرفہ طور پر بلا جواز غیر ضروری مباحث فیصلہ میں داخل کئے اور اپنے فیصلہ میں ایسا مواد شامل کیا جو تاریخی شواہد کے سراسر خلاف اور غلط مفروضوں پر مبنی ہے اور اس بارہ میں جماعت احمدیہ کے مخالفانہ لٹریچر سے متاثر ہو کر اور منتشر اقتباسات پر انحصار کرتے ہوئے، بلا تحقیق نازک اعتقادی امور پر رائے زنی کی جو واضح طور پر کوتاہی فکر، کم علمی، قلتِ تدبّر اور مذہبی امور سے ناواقفیت کی آئینہ دار ہے۔ عدالت کے فیصلہ میں جگہ جگہ ایسے زہر آلود فقرات بکھرے پڑے ہیں جو محض طعنہ زنی اور دلآزاری کا باعث ہیں اور جو عدالت کے انتہائی تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور عدالت کے فیصلہ کا ایک بڑا حصہ (صفحہ 9 تا صفحہ 152) ایسے ہی مباحث پر مشتمل ہے اور چونکہ ان مباحث کا زیرِ غور سوال سے کوئی تعلق نہ تھا. فیصلہ کے یہ حصے حذف کیے جانے کے لائق ہیں مگر عدالت موصوف نے اپنے فیصلہ میں تعصب کی راہ سے ان امور کو شامل کر کے سائلان کے خلاف جو دلآزار مخالفانہ مواد فیصلہ کے ذریعہ سے شائع کیا ہے اس کا ایک اجمالی محاکمہ اس غرض سے پیش ہے تا یہ واضح ہو سکے کہ نہ صرف یہ کہ ان مسائل کا مقدمہ کے فیصلہ سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ بھی ظاہر کیا جا سکے کہ یہ حصہ خالص تعصب اور جانبداری کی وجہ سے فیصلہ میں شامل کیا گیا ہے جس سے فیصلہ کا تقدّس پامال ہوا ہے اور پورا فیصلہ ہی ردّ کیے جانے کے لائق ہے۔

۱

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ میں صفحہ 9 کے آخری پیراگراف میں لکھا ہے کہ:-

> ''تمام مکاتب فکر کے مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی اور غیر مشروط آخری نبی ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور اس بات کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں اور یہ متفقہ اعتقاد قرآن شریف کی آیت نمبر 40/33 پر مبنی ہے۔ مذکورہ آیت، اس کا ترجمہ اور اس کی تشریحات وتفسیرات ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمًا (ترجمہ: محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ اور ایک پیغمبر ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

زیرنظر اقتباس میں آیت خاتم النّبیین کا ترجمہ کرتے ہوئے عدالت نے لفظ خاتم النّبیین کا ترجمہ آخری نبی نہیں کیا بلکہ نبیوں کی مہر ہی ترجمہ کیا ہے۔ جہاں تک لغوی ترجمہ کا تعلق ہے جماعت احمدیہ کا دیگر مسلمانوں کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں۔ عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ 10 سے لیکر صفحہ 13 تک لفظ ''ختم'' اور ''خاتم'' کے معانی کی بحث کی ہے، لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں لغت مختلف فیہ نہیں۔ لفظ خاتم کے خواہ حقیقی معنی یعنی نبیوں کی مہر لیے جائیں خواہ مجازی معنی یعنی آخری نبی کیے جائیں دونوں صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مہر بھی ہیں اور مخصوص معنوں میں بھی آخری نبی بھی۔ البتہ آیت کے معنوں میں اختلاف ''مطلق اور غیر مشروط'' آخری نبی کے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے جو نہ تو آیت خاتم النّبیین میں موجود ہیں۔ نہ خاتم کے لغوی معنی میں شامل اور نہ ہی اُمّتِ مسلمہ کے مسلّمہ عقیدہ ختم نبوت کا حصہ ہو سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ نبی اللہ کی دوبارہ آمد کا عقیدہ رکھتی ہے۔ اس پہلو سے عدالت کا یہ مفروضہ کہ تمام مکاتب فکر کے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''غیر مشروط اور قطعی طور'' پر آخری نبی تصور کرتے ہیں۔ فی الواقعہ غلط، تاریخی شواہد کے خلاف، کم علمی اور قلتِ تدبّر پر مبنی ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ عدالت کا یہ مفروضہ بالبداہت غلط ہے خود عدالت کے فیصلہ میں موجود ہے چنانچہ عدالت نے اپنے فیصلہ صفحہ 14 پر واشگاف الفاظ میں یہ قرار دیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ''اس اُمّت میں سے ہو کر تشریف لائیں گے'' گویا ایک پُرانے نبی کا آنا اور ''اُمّت میں سے ہو کر آنا'' یہ دو شرائط ایسی ہیں جو حضورؐ کے آخری نبی ہونے کو مشروط کر رہی ہیں۔ لہٰذا خود عدالت کے فیصلہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطعی اور غیر مشروط طور پر آخری نبی نہیں۔ مگر قطع نظر اس کے کہ عدالت کے فیصلہ میں تضاد ہے خود اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ اور تمام مسلمان فرقوں کے عقائد کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضورؐ کو ''غیر مشروط'' آخری نبی ماننے میں تمام فرقوں کا آپس میں اتفاق نہیں۔

دُور کیوں جایئے خود دیوبندی فرقہ کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عقیدہ اس مسئلہ میں بڑا واضح اور عیاں ہے اور عدالت سے یقیناً مخفی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ عدالت کے دو فاضل جج ارکان خود دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور بانی دیوبند کا مسلک سائلان کی طرف سے اختصار کے ساتھ ضمنی بحث میں تحریری طور پر پیش کر دیا گیا تھا اور اگر ان کا عقیدہ عدالت کے علم میں کسی سہو کی وجہ سے نہیں آ سکا تھا تو سائلان کا ''خلاصہ بحث'' مطالعہ کر لینے کے بعد یقیناً عدالت کے علم میں آ چکا تھا مگر عدالت نے اس بارے میں کوئی رائے یا تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بانی دیوبند کی تحریرات اور ان کا عقیدہ اگر اہل دیوبند کو قبول نہیں تو اس کا طبعی نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بانی دیوبند پر بھی کفر کا فتویٰ صادر ہو۔ کیونکہ عقیدہ ختم نبوت میں اُن کا اور جماعت احمدیہ کا اتفاق ہے۔ بہر صورت بانی دیوبند کے عقیدہ کو اگر اہلِ دیوبند اُمّت کے متفقہ عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہوں یا اسے غلط تصور کرتے ہوں تو بھی عدالت کا یہ ارشاد یقیناً غلط ثابت ہوتا ہے کہ تمام مکاتب فکر کا متفقہ عقیدہ حضورؐ کے قطعی اور غیر مشروط طور پر آخری نبی ہونے کا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنی کتاب تحذیر النّاس میں لکھتے ہیں:-

> ''سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپؐ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم وتأخّر زمانی میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے'' (تحذیر النّاس صفحہ ۳)

پھر فرمایا:-

> ''اگر بالفرض بعد زمانہ نبی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر بھی خاتمیتِ محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحذیر النّاس صفحہ ۲۸)

گویا پرانا نبی تو درکنار کوئی نیا نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ کے منافی نہ ہوگا۔

عدالت نے اپنے فیصلہ میں عامۃ المسلمین کے عقیدہ پر بھی توجہ نہیں کی اور یہ تاثر قائم کیا کہ ختمِ نبوت کے اس مفہوم پر جملہ مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان باہم متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا جبکہ عامۃ المسلمین کے عقیدہ کی رو سے اُمّت مسلمہ کی اصلاح نو کے لیے مسیح نبی اللہ اور مہدی کے ظہور پر اجماعی اتفاق پایا جاتا ہے اور یہی عقیدہ احمدیوں کا بھی ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ عقیدہ اُمّت میں نہ تو کوئی نئی بات تھی اور نہ ہی اُمّت کے عقائد کے خلاف تھی۔ چنانچہ سائلان نے اپنے "خلاصہ بحث" کے صفحہ 97 سے لے کر صفحہ 105 تک چودہ سو صدیوں پر پھیلے ہوئے بزرگانِ اُمّت کے حوالے اختصار کے ساتھ پیش کر دیئے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ایک ہزار برس پہلے حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی حسین الحکیم الترمذیؒ نے تو یہاں تک فرمایا:-

"يُظَنُّ اَنَّ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ تَاوِيْلُهُ اَنَّهُ آخِرُهُمْ مَبْعَثاً۔ فَاَيُّ مَنْقَبَةٍ فِيْ هٰذَا؟ وَاَيُّ عِلْمٍ فِيْ هٰذَا؟ هٰذَا تَاوِيْلُ اَلْبُلْهِ الْجَهَلَةِ۔" (ختم الاولیاء از شیخ ابی عبداللہ محمد بن علی حسین الحکیم صفحہ ۳۴۱)

ترجمہ:- خاتم النبیین کی یہ جو تاویل کی جاتی ہے کہ آپ بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں اس میں کونسی شان پائی جاتی ہے اور اس تاویل میں کونسی علمی بات ہے یہ تو بے وقوفوں اور جاہلوں کی تاویل ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا ارشاد ہے:-

"اِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِيْ اِنْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هِيَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ لَا مُقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُوْنُ نَاسِخاً لِشَرْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَزِيْدُ فِيْ حُكْمِهٖ آخَرُوَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِانْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ يَكُوْنُ عَلٰى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِيْ بَلْ اِذَاكَانَ يَكُوْنُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِيْ"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۷۳)

ترجمہ :- وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود پر منقطع ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے۔ مقام نبوت بند نہیں ہوا۔ اب کوئی شریعت نہ ہوگی جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپؐ کی شریعت میں کسی حکم کا اضافہ کرے اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کہ ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ یعنی ایسا کوئی نبی نہیں ہوگا جو میری شریعت رکھتا ہو۔ بلکہ جب بھی کوئی نبی ہوگا تو میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہوگا۔

ایسا ہی حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا ارشاد ہے:-

"اِعْلَمْ اَنَّ النُّبُوَّةَ لَمْ تَرْتَفِعْ مُطْلَقاً بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّمَا ارْتَفَعَ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ فَقَطْ (الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۳۹) یعنی جان لو کہ مطلق نبوت بند نہیں ہوئی صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے۔" اور نیز فرمایا "نَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ اَيْ مَا ثَمَّ مَنْ يُشَرِّعُ بَعْدِيْ شَرِيْعَةً خَاصَّةً۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا نبی بعدی ولا رسول سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص شریعت خاصہ کے ساتھ تشریعی نبی نہیں ہوگا۔"

اور فقہ حنفیہ کے جلیل القدر امام حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:-

اَمَّا الْحَدِيْثُ "لَا وَحْيَ بَعْدَ مَوْتِيْ" بَاطِلٌ وَلَا اَصْلَ لَهٗ۔ نَعَمْ وَرَدَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَ مَعْنَاهُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ

لَا يُحدِثُ بَعْدَہٗ نَبِيٌّ بِشَرعٍ يَنْسَخُ شَرْعَہٗ‘‘ (الاشاعة فی اشراط الساعة صفحہ۲۲۶) یعنی حدیث ’’لاوحی بعدی‘‘ باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں حدیث میں ’’لا نبی بعدی‘‘ وارد ہے اور اس کے معنے علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آئندہ کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو ایسی شریعت لے کر آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔

غرض یہ ایک طویل علمی بحث ہے اور اس کے بہت سے پہلو ہیں اور جس قدر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے اس مضمون کے مختلف گوشے واضح ہوتے چلے جاتے ہیں اور سائلان اہلِ نظر کو کھلی دعوت دیتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تحقیق و جستجو سے کام لیں۔ مگر عدالت کا یہ ارشاد بہرحال درست نہیں کہ "تمام مکاتب فکر کے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق طور پر آخری نبی مانتے ہیں۔" جملہ حوالہ جات جو ہم نے پیش کیے ہیں وہ امتِ مسلمہ کے جلیل القدر آئمہ اور اولیاء کے ہیں اور ان کے مندرجہ بالا ارشادات سے واضح ہے کہ وہ "قطعی طور پر" غیر مشروط آخری نبی حضوؐر کو نہیں سمجھتے تھے اور "آخری نبی" ہونا ان کے نزدیک مخصوص معنوں میں تھا مگر ان حوالہ جات سے قطع نظر خود عدالت نے اپنے فیصلہ میں جن بزرگوں کے حوالہ جات نقل کیے ہیں وہ بھی عدالت کے اس ادّعا اور مفروضہ کی نفی کرتے ہیں کہ تمام مکاتب فکر کے مسلمان قطعی طور پر حضوؐر کو آخری نبی مانتے ہیں۔

چنانچہ عدالت نے علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف میں سے جو حوالہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے:-

"اگر آپ سوال کریں کہ جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰؑ قیامت سے پہلے آخری زمانہ میں نازل ہوں گے تو پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ مَیں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں آخری نبی ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص نبی کی حیثیت سے مبعوث نہ ہوگا۔ رہا حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ تو وہ ان انبیاء میں سے ہیں جنہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا اور جب وہ دوبارہ آئیں گے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے اور انہیں کے قبلہ (الکعبہ) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں گے جیسا کہ امّت کے دوسرے افراد کرتے ہیں۔" (الکشاف جلد۲ صفحہ ۲۱۵)

اسی طرح عدالت نے علامہ بیضاوی کی تفسیر انوار التنزیل کا بھی حوالہ درج کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی آخری کڑی ہیں جنہوں نے انکے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور سلسلۂ نبوت پر مہر لگا دی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی تردید نہیں ہوتی کیوں کہ جب وہ آئیں گے تو انہی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔" (انوار التنزیل جلد۴ صفحہ ۱۶۴)

اسی پر بس نہیں۔ علامہ نسفیؒ کی تفسیر مدارک التنزیل کا حوالہ بھی عدالت نے نقل کیا ہے اور اس کا جو ترجمہ عدالت نے کیا ہے وہ یہ ہے:-

" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن یعنی آخری نبی ہیں آپؐ کے بعد کوئی اور شخص نبوت پر فائز نہ ہوگا۔ رہے حضرت عیسیٰؑ تو وہ ان انبیاء میں سے ہیں جو آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے اور جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے اور آپ ہی کی اُمّت کے فرد کی طرح ہوں گے۔"

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر جلالین کا حوالہ بھی عدالت نے نقل کیا ہے کہ :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ جب نازل ہونگے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پیرو ہوں گے۔"

شیخ اسماعیل حقّی کی تفسیر روح البیان کا حوالہ بھی عدالت نے دیا ہے اور اس حوالہ کا یہ حصہ قابل توجہ ہے کہ :-

"حضرت عیسیٰؑ کی بعثتِ ثانیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ

بعثتِ ثانیہ کے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے اور آپ دوسرے اُمّتیوں کی طرح انہی کے قبلہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرینگے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونگے۔"

یہ حوالہ جات جو خود عدالت نے نقل کیے ہیں عدالت کے اس ادّعا کی نفی کر رہے ہیں کہ تمام مکاتب فکر متفقہ طور پر حضورؐ کو " قطعی و غیر مشروط طور پر " آخری نبی تصور کرتے ہیں۔ ان جملہ بزرگوں کے نزدیک حضورؐ کا آخری نبی ہونا قطعی اور غیر مشروط معنوں میں نہیں بلکہ ان مخصوص معنوں میں ہے کہ آپؐ ہی کی اُمّت میں سے ہو کر آنے والا، آپؐ ہی کے قبلہ کو اپنانے والا ایک سابق نبی ظہور پذیر ہو تو ان بزرگوں کے نزدیک ختم نبوت متاثر نہیں ہوگی گویا محدود اور مخصوص معنوں میں ایک نبی کے ظہور کے یہ بزرگان بھی قائل ہیں اور یہ ہماری بات نہیں عدالت نے بھی اپنے فیصلہ میں صفحہ ۲۲ پر تسلیم کیا ہے کہ امام زمخشری تفسیر کشاف میں، قاضی بیضاوی انوار التنزیل میں، امام رازی تفسیر کبیر میں، امام نووی شرح مسلم میں، امام علاؤ الدین بغدادی تفسیر خازن میں، علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں، ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں، بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں، امام قسطلانی ارشاد الساری میں، ابن ہیثمی فتاویٰ حدیثیہ میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں، علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں اسی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ گویا عدالت کے اپنے پیش کردہ حوالہ جات اس مفروضہ کی تائید نہیں کر رہے جو عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۹ میں لکھ دیا کہ تمام مکاتبِ فکر قطعی اور غیر مشروط طور پر حضورؐ کے آخری نبی ہونے کے قائل ہیں۔ مندرجہ بالا سبھی آئمہ اور اولیاء کرام حضورؐ کو ان مخصوص معنوں میں آخری نبی قرار دے رہے ہیں کہ آپ کے بعد ایک نبی بہر حال ظاہر ہوگا۔ لہٰذا عدالت کا یہ مفروضہ درست نہیں کہ حضورؐ کے قطعی اور غیر مشروط طور پر آخری نبی ہونے پر اُمّت کا اتفاق یا اجماع ہے بلکہ اُمّت کا اس کے بالکل برعکس مخصوص اور محدود معنوں میں آخری نبی ہونے پر اجماع مندرجہ بالا تمام حوالہ جات سے جو خود عدالت نے درج کیے ہیں، ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اُمّتِ مسلمہ کے بزرگ علماء کے اقوال کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد حسب ذیل اُمور نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں :-

اوّل :- یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور شریعتِ جدیدہ پیش کرے۔

دوم :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمّت مسلمہ میں ایسے نبی کی آمد کو جائز سمجھا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّتی ہو اور آپ ہی کی شریعت کے تابع رہ کر اس کے احیاء کا فریضہ بجالائے اور اپنا کوئی نیا کلمہ جاری نہ کرے۔

سوم :- ایسی آیات یا احادیث جو ختم نبوت سے تعلق رکھتی ہیں بزرگان دین نے انکی تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اسی قدر استنباط کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شارع نبی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت جدیدہ کے تابع اور اُمّتی نبی آسکتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں شقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ظہور تک اُمّت میں بالاتفاق مسلّم رہی ہیں۔ یہ تینوں باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود و مسلّم تھیں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی اُمّت مسلمہ انہی عقائد پر متفق تھی۔ اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں بھی امّت مسلمہ ان عقائد پر قائم تھی (اور اس کے بعد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ تک ان تینوں باتوں میں کسی اختلاف کا ادنیٰ سا ثبوت تو کیا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا) اب محض حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں ان مسلمات کو چھوڑنا تیرہ صدیوں کے اجماعی عقیدہ سے انحراف ہے۔

فاضل عدالت نے امام غزالی کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" کا حوالہ بھی اس امر کی تائید کے لیے درج کیا ہے کہ ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع سے انکار کرنے والا صریحاً دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے -- حالانکہ امام غزالی کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" کا نام ہی اس امر پر شاہد ہے کہ وہ اعتقاد میں میانہ روی کی تلقین کر رہے ہیں اور خود امام غزالی نے اس کتاب میں ہی واضح الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ اجماع کا حجت ہونا بوجوہ مشتبہ امر ہے اور اجماع کا منکر یا نصوح کی تاویل کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور اس کی تکفیر درست نہیں۔ گویا امام غزالی کے قول سے عدالت نے وہ نتائج اخذ کیے جو امام غزالی کی عبارت کا منشاء و مقصود نہیں۔

جہانتک ان احادیث کا تعلق ہے جو عدالت نے اپنے فیصلہ میں نقل کی ہیں اور جس میں حضورؐ نے "لا نبی بعدی" یا اس سے ملتے جلتے مفہوم والے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان احادیث کا سیاق و سباق اور مفہوم ایک طویل بحث کا متقاضی ہے، لیکن جیسا کہ خود عدالت نے اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا ہے حضورؐ نے یہ ارشادات مختلف مواقع پر فرمائے اور ان کا مفہوم ان مواقع کے پورے پس منظر میں ہی متعین ہو سکتا ہے۔

عدالت نے ختم نبوت کی بحث میں احادیث کے ضمن میں یہ حدیث تو نقل کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی آخری نبی تھے جبکہ آدم ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے

تھے مگر اس کے لازمی اور منطقی نتیجہ پر غور نہیں فرمایا کہ یہ حدیث بھی "غیر مشروط آخری نبی" کے مضمون کو رد کر رہی ہے کیونکہ یہ حدیث بھی اسی مضمون کو واضح کر رہی ہے کہ ختم نبوت زمانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ مقام کے لحاظ سے ہے ورنہ اگر ختم نبوت کا زمانی مفہوم لیا جائے تو حضور سے پہلے سارے انبیاء جھوٹے ٹھہریں گے۔

جیسا کہ عدالت نے اپنے فیصلہ میں بجا طور پر لکھا ہے کہ لفظ خاتم النبیین کی تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا مگر حضورؐ کی تشریح متعین کرنے کے لیے صرف ایک قول پر ہی نہیں تمام اقوال پر بیک وقت نظر رکھنی چاہیئے۔ حضورؐ کے بعض اقوال کو تسلیم کر لینا اور بعض کو نظر انداز کر دینا سوء ادب اور گستاخی ہے۔ جب حضورؐ کے تمام اقوال پر نظر ڈالیں گے تو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ "لا نبی بعدی "فرمانے کے باوجود حضورؐ ایک آنے والے کی خبر بھی دے رہے ہیں جس کے بارے میں اُمّت کا کوئی اختلاف نہیں۔ "لا نبی بعدی " کا لفظ حضورؐ نے اپنے معاً بعد کے زمانہ کے لئے استعمال فرمایا ہے اور اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل میں تواتر کے ساتھ ایک کے بعد دوسرا نبی آتا چلا گیا حضورؐ کے معاً بعد نبوت نہیں بلکہ خلافت قائم ہوگی اور جب آنے والے کا وقت آئے گا تو وہ یعنی عیسیٰ نبی اللہ بھی آئے گا اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ بعض دوسرے مقامات پر "بعد" کا لفظ مقام اور مکانی اعتبار سے ایک بالکل مختلف مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ الغرض جب متفقہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی مسلمہ ہے تو آخری نبی کے معنی کا مخصوص اور مقید ہونا بھی تمام اُمّت میں متفق علیہ ہے (اس امر کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو عدالت نے درج کی ہیں)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تمام مسائل اور پہلو جو ایک تفصیلی بحث کے متقاضی تھے جس میں متعدد آیات قرآنی اور حضور کے بہت سے اقوال کی چھان بین، حضور کے ارشادات کی باہم موافقت اور تطبیق ضروری تھی اور اس بارہ میں جماعتِ احمدیہ کی مخالف آراء یک طرفہ طور پر زیر غور لا کر کوئی رائے قائم کرنا یا ان کو فیصلے میں شامل کر لینا قرین انصاف نہیں لہٰذا فیصلے کا یہ حصّہ بھی حذف کیے جانے کے لائق ہے۔ بالخصوص اس لیے کہ آئینی ترمیم کی موجودگی میں یہ بحث غیر متعلق تھی۔ یہ ایک خالص اعتقادی سوال تھا جو نہ عدالت کے زیر غور تھا اور نہ عدالت فیصلہ دینے کی مجاز تھی۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر اور جماعت احمدیہ کے عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اصل اختلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارے میں ہے۔ فریقین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ حضورؐ کے آخری نبی ہونے کے جو بھی معنی ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اس سے متعارض نہیں۔

چنانچہ خود عدالت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارے میں علامہ زمخشری کی تفسیر "کشاف"، علامہ بیضاوی کی "انوار التنزیل"، علامہ نسفیؒ کی "مدارک التنزیل"، علامہ سیوطی کی "جلالین"، علامہ آلوسی کی "روح المعانی" وغیرہ تفاسیر کے حوالے درج کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ضرور تشریف لائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی بنایا نہیں جائیگا یا یوں کہیئے کہ کسی کو نبوت عطا نہیں ہوگی۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت کا منصب ختم ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آنحضورؐ سے پہلے مبعوث ہو چکے اور دوسری مرتبہ آپ کی شریعت کے پیرو اور اُمّت کے فرد ہو کر آئیں گے لہٰذا ان کی آمد سے ختم نبوت کی مہر متاثر نہیں ہوگی۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانی لحاظ سے آخری نبی قرار دینے والوں کی دلیل یہ ٹھہری کہ چونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کے بعد کوئی نبی بن تو نہیں سکتا البتہ اگر کوئی نبی زندہ ہے اور اس کی نبوت سلب نہیں ہوئی تو وہ آسکتا ہے۔

غور کیجیئے تو اصل سوال یہ ہے کہ مسیح بنی اسرائیل کی دوبارہ آمد آخر کیوں؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے "ضرورت"۔ گویا حضرت مسیح نبی اللہ کی آمد ثانی کا اقرار دراصل ضرورتِ نبوت کا اقرار ہے اور جب نبوت کی ضرورت موجود ہے تو "مہر نبوت" کو تو اس ضرورت نے ہی ختم کر دیا۔ یہ امر عقلاً محال اور شانِ خدائی کے خلاف ہے کہ ضرورت تو پیدا ہو جائے لیکن خدا اسے پورا نہ کر سکے یا نہ کرے اور جب خدا تعالیٰ کو اس ضرورت کے پورا کرنے پر قادر سمجھا جائے تو یہ بحث خود بخود لاتعلق ہو جاتی ہے کہ نبی نیا ہو یا پرانا۔ کیونکہ یہ اصول تو تسلیم ہو گیا کہ آنے والا شریعتِ محمدیہ کے اندر ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر بوجہ ضرورت پُرانے نبی کے آنے سے نبوت کی مُہر نہیں ٹوٹتی تو اسی ضرورت کے ہوتے ہوئے شریعت محمدیہ کے تابع ہو کر آنے والے سے کیسے ٹوٹ جاتی ہے۔

آیئے اب اس دلیل کو ذرا قرآن شریف کے سامنے پیش کر کے دیکھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن حکیم کے مطابق رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (آل عمران : ۵۰) یعنی صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے اور تورات کے پابند تھے پھر انجیل میں بھی حضرت مسیح کا یہ قول موجود ہے کہ "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کی طرف نہیں بھیجا گیا۔" پس مسیح بنی اسرائیل کی دعوت قرآن اور انجیل کی رُو سے بنی اسرائیل تک ہی محدود تھی۔ وہ سب مسلمانوں کو دعوت کیسے کر سکتے

ہیں اور وہ توریت کے پابند ہوکر قرآن کو کیسے حَکَم مانیں گے۔ قرآن شریف تو یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں اور جب تک زندہ رہیں نبی ہونگے اور انہی احکام کے پابند ہونگے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو دیئے گئے تھے جیسا کہ فرمایا قَالَ اِنِّی عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿﴾ وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا (مریم : ۳۱، ۳۲) یعنی "مسیح نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے اس نے کتاب بخشی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور مَیں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے بابرکت وجود بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی ہے۔" لہٰذا مسیح جو "رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ" تھے اور صرف اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے تھے خود قرآن اور انجیل کی رو سے اُمتِ مسلمہ کی طرف رسول بن کر نہیں آسکتے۔ دونوں کتابوں کی تعلیمات کی تفاصیل اور تشریعی احکام کا فرق واضح ہے۔ صرف کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا فرق ہی کتنا بیّن ہے۔

چنانچہ سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک مکالمہ درج ہے جو قیامت کے روز ہوگا فرماتا ہے:-

وَ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُہٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَہٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿﴾ مَا قُلۡتُ لَہُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ۚ وَ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ اَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿﴾ (سورۃ المائدہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

اس آیت میں حضرت مسیحؑ اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں اور آپ کا اپنی قوم کے بارہ میں یہ کہنا کہ "خداوند جب تو نے مجھے وفات دے دی تو میرے بعد تو ہی انکا نگہبان تھا" صاف شہادت دے رہا ہے کہ وہ دنیا سے ہمیشہ کے لیے وفات پا گئے۔ کیونکہ اگر ان کا دنیا میں پھر آنا مقدر رہوتا تو ضرور ان دونوں واقعات کا ذکر کرتے اور اپنے نزول کے بعد کی تبلیغ کا بھی ذکر کرتے۔ اُس صورت میں حضرت عیسیٰ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کوئی خبر نہیں۔ جو شخص دوبارہ دنیا میں آیا اور چالیس برس رہا اور جس نے صلیب کو توڑا اور تمام عیسائیوں کو مسلمان کیا ہو وہ کیونکر قیامت کے روز جنابِ الٰہی میں یہ عرض کرسکتا ہے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کوئی خبر نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا مضمون کئی پہلوؤں سے مذکور ہے اور جتنا زور اور وضاحت قرآن شریف میں آپ کی وفات سے متعلق ہے کسی اور نبی کی وفات کے بارہ میں نہیں۔

سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں آپ کی وفات کے ذکر کے ساتھ ضمناً آپ کی طرف منسوب کئے جانے والے الوہیّتِ مسیح وتثلیث کے عقیدہ کا ردّ بھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد دیگر مقامات پر قرآن شریف میں کہیں الوہیّتِ مسیحؑ کی تردید میں وفاتِ مسیح کا ذکر ملتا ہے کہ خدا کو وفات نہیں اور مسیح وفات پا گئے اور کہیں ان کی بشریت ورسالت کے ثبوت میں دلیلِ استقراء کے طور پر آپ کی طبعی موت کا ذکر ہے کیونکہ آپ رسول تھے اور سب رسول وفات پا چکے۔ چنانچہ فرمایا:-

"مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ (المائدہ : ۷۶) یعنی مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھے اور اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔"

اس آیت سے گو اس بات کا ثبوت تو ملتا تھا کہ حضرت مسیح سے پہلے تمام رسول وفات پا چکے ہیں اور مسیح رسول اللہ کا وفات پا جانا اس کا منطقی استقرائی نتیجہ تھا مگر معیّن طور پر یہ مذکور نہ تھا کہ دراصل وہ وفات پا بھی گئے اور اشتباہ کی گنجائش موجود تھی مگر قرآنِ حکیم نے اس اشتباہ کو بھی سورۂ آلِ عمران کی اس آیت سے دُور کر دیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہی مضمون مذکور ہے جیسا کہ فرمایا:-

"وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ (آل عمران : ۱۴۵) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے سب رسول وفات پا چکے ہیں۔"

یہی وہ آیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر صحابہ کرام کے لیے ڈھارس بنی۔ جب رسولؐ اللہ کی وفات کی خبر سن کر صحابہ مارے غم کے دیوانے

ہوئے جا رہے تھے اور حضرت عمرؓ جیسا جری اور زیرک انسان بھی یہ باور کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ اُن کے پیارے آقا وفات پا چکے ہیں اس وقت جناب صدیق اکبرؓ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر صحابہ کرام کو تسلّی دلائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب رسول وفات پا چکے ہیں اور آپ کا وفات پانا بھی مقدر تھا پس اس آیت کے اندر رسول اللہ ؐ سے پہلے تمام انبیاء کی وفات کا مضمون واضح طور پر بیان ہوا ہے۔ گویا اس آیت کے ذریعہ سے صحابہ کا پہلا اجماع ہی عیسٰی علیہ السلام کی وفات پر ہوا۔ آیت کے اگلے حصّہ میں اَفَـاِنْ مَّـاتَ اَوْ قُتِلَ فرما کر خلا کے معنی واضح کر دیئے گئے ہیں اور خلا (یعنی گزر جانے) کو موت اور قتل کی دو صورتوں میں حصر کر دیا گیا ہے چنانچہ خلا کے معنے موت یا قتل کے سوا کچھ نہیں۔

مبادا کوئی یہ کہے کہ خلا یعنی گزر جانے کے معنی فوت ہو جانے کے کہاں ہیں تو ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ قرآن شریف میں متعدد مقامات پر خلا یعنی گزر جانے کا مفہوم فوت ہو جانا ہی ہے۔ خود اس آیت کی شان نزول کو دیکھئے۔ جنگ اُحد کا موقعہ ہے حضور زخمی ہیں۔ صحابہ پریشان ہیں۔ سراسیمہ ہیں۔ حضوؐر کی موت کی خبر اُڑ گئی ہے۔ پسپائی کا عالم ہے تو خدا آسمان سے پکارتا ہے۔

"محمدؐ ایک رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اگر آپ قتل کر دیئے جائیں یا وفات پا جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔"

یہ موقعہ یہ شانِ نزول۔ یہ اندازِ تخاطب صاف کہہ رہا ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے جبھی تو ڈھارس بندھائی جا رہی ہے۔ کوئی صحابی پلٹ کر نہیں کہتا کہ سارے نبی تو فوت نہیں ہوئے ایک تو زندہ موجود ہے ہمارے آقا کیوں زندہ نہ رہیں۔ دیکھئے خود صحابہ نے اسے کیسے سمجھا۔ اُحد کے روز جس سانحے سے صحابہ گھبرا رہے تھے اور جس اٹل گھڑی کے بارے میں خدا دلا سے دے رہا تھا جب وہ گھڑی واقعی آ پہنچی اور حضوؐر وفات پا گئے تو اس وقت صحابہ نے اس آیت کے مفہوم سے کیا سمجھا؟ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں کیا ارشاد فرمایا؟ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ محمدؐ رسول ہی تو تھے اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ گویا واقعی اُحد والی بات یاد دلائی اور پھر کہا کہ دیکھو حضوؐر کو فوت ہونا ہی تھا حضوؐر فوت ہو گئے اور خدا کی سنّت کو دلیل ٹھہرایا کہ آپ سے پہلے سارے رسول فوت ہو چکے ہیں۔ گویا اس ایک آیت کا مفہوم دو مرتبہ صحابہ کی زندگی میں واضح ہو کر سامنے آیا۔ ایک اس وقت جب یہ آیت نازل ہوئی اور ایک اس وقت جب حضوؐر نے وفات پائی۔ دونوں موقعوں پر وفات کا مضمون ہی بیان کرنا مقصود نظر آتا ہے۔

غرضیکہ ایک دو مقام پر نہیں درجنوں مقامات پر عیسٰیؑ کی وفات مذکور ہے اور اب تو جب سے حضرت مرزا صاحب نے اس عقدے کو حل کیا ہے، تاریخ نے اپنے دفینے اُگل دیئے ہیں اور زمانہ نت نئے شواہد اس بات کے پیش کر رہا ہے کہ عیسٰیؑ کو اللہ تعالیٰ نے واقعہ صلیب کے بعد ایک لمبی عمر عطا کی اور وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد طبعی موت سے دوچار ہوئے۔

تاریخ اور سائنس کے شواہد اور انجیل اور بائبل کی شہادت سب اسی حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں اور اس بارے میں دلائل کا اتنا انبار لگ چکا ہے کہ اس حقیقت سے اب انکار ممکن نہیں رہا اور مسلمانوں میں سے اہلِ علم حیاتِ مسیح کا عقیدہ چھوڑ کر وفاتِ مسیح کے قائل ہوتے جا رہے ہیں۔

وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام کے بارے میں ایک مختصر بحث ہم نے نموتاً پیش کی ہے ورنہ قرآن کریم میں کم و بیش تیس آیات حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کی خبر دے رہی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث اور بزرگانِ سلف کے اقوال کی رُو سے حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ بزرگانِ امتِ محمدؐیہ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت جارُود بن معلّیٰؓ (صحابی رسولؐ)، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام عبدالوہاب جبائی، حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ، حضرت امام ابن حزمؒ، حضرت سید علی ہجویریؒ داتا گنج بخش، حضرت امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ، علامہ زمخشریؒ، امام فخر الدین رازیؒ، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، حضرت شمس تبریزؒ، امام سراج الدین عمر بن الوردیؒ، حضرت امام ابن قیّمؒ، حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت محمد اکرم صابریؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسفؒ اور عصر حاضر میں سے علامہ مفتی محمد عبدہٗ، علامہ رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر، الاستاذ محمود شلتوت سابق مفتی مصر، الاستاذ مصطفٰے المراغی، الاستاذ عبدالکریم شریف، الاستاذ عبدالوہاب النجّار، ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی، اور علماء ہندو پاکستان میں سے مولانا عبیداللہ سندھی، سر سیّد احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال، علامہ مشرقی، غلام احمد پرویز، سبھی وفاتِ مسیح کے قائل ہیں اور اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور اُن کی آمد ثانی کا عقیدہ بھی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے حضوؐر ہی کے ارشادات پر مبنی ہے تو پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد اُن کے ایک مثیل کی آمد ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ مسیح کی آمد ثانی کے عقیدہ میں تیرہ صدیوں کا تواتر ہے۔ عدالت نے بھی اس کی تائید

میں حوالہ جات نقل کئے ہیں لہٰذا جماعت احمدیہ کے بارے میں یہ قرار دینا کہ گویا عقائد کا بنیادی اختلاف مسلمانوں اور احمدیوں کے درمیان موجود ہے بالبداہت غلط ہے۔

الغرض فاضل عدالت نے ختم نبوت کے عقیدہ کو احمدیوں اور مسلمانوں کے دیگر مکاتبِ فکر کے درمیان بنیادی اختلاف قرار دینے میں صریحاً غلطی کی ہے اور یہ حصّہ خالص عقائد کی بحث سے تعلق رکھتا ہے اور عدالت اس میں دخل اندازی کی مجاز نہ تھی اور یہ حصہ حذف کیے جانے کے لائق ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اعتقادی امور پر بحث سرے سے ہی عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں تھی تاہم عدالت نے تمام اُصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسے متعدد امور اپنے فیصلہ میں شامل کئے جو قطعاً غیر متعلق اور مسئلہ زیر بحث کے تصفیہ کے لئے قطعاً غیر ضروری تھے۔ چنانچہ مسئلہ ختم نبوت کے بارے میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ کس طرح عدالت نے اس مسئلہ پر ایک غلط مفروضہ کو بنیاد بنا کر بحث اُٹھائی اور کس طرح غلط نتائج اخذ کر کے یکطرفہ طور پر فیصلہ میں شامل کر دیئے۔ جو گذارشات ہم اوپر کر آئے ہیں ان میں یہ بات واضح ہے کہ ختم نبوت کے بارہ میں نہ تو اولیاء اور صلحائے اُمّت کے تواتر اور مسلک کو صحیح طور پر سمجھا اور نہ ہی اس مسئلہ پر محققانہ طور پر کوئی رائے قائم کی۔

۲

ایک قطعی طور پر غیر متعلقہ سوال جو عدالت نے اُٹھایا وہ حضرت مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش اور عمر سے تعلّق رکھتا ہے۔ عدالت نے فیصلہ کے صفحہ 34 تا 38 میں اس غیر متعلقہ بحث کو جگہ دی اور مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش کے بارہ میں ایک علمی تحقیق کو وجہِ اعتراض بنایا۔ حالانکہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی ایک کی بھی متفق علیہ تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ وہ یگانہ روزگار وجود، جو دُنیا کی تاریخ میں مینارِ ہدایت بن کر اُبھرتے ہیں ان کی پیدائش کے وقت دُنیا کی نظر کبھی یہ نہیں دیکھ سکتی کہ وہ تاریخ انسانی میں کیا مقام پیدا کریں گے اور جب وہ صفحۂ تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں تو انکی تاریخ پیدائش کی تلاش اور جستجو اور تحقیق شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن سے حضرت مرزا صاحب کو اپنے مقام کے اعتبار سے ایک گونہ مماثلت کا دعویٰ تھا۔ خود ان کی تاریخ پیدائش عیسائی محققین کے نزدیک بھی صدیوں سے باعث نزاع رہی اور ایک قول کے مطابق سال کے بارہ مہینوں میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن کسی محقق نے تجویز نہ کیا ہو۔ آج بھی عیسائی دنیا 25 دسمبر کو یوم ولادت مسیح کے طور پر مناتی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایسے موسم میں ہوئی جبکہ کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور اناجیل کے بیان کے مطابق گڈریئے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ باہر کھلے کھیتوں میں رات گذر رہے تھے۔

تاریخ انسانی کے اشرف ترین وجود فخر موجودات سیّدنا حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی عمر شریف اور تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی اہلِ علم اور اہلِ تحقیق نے اختلاف کیا اور بحثیں کیں چنانچہ لکھا ہے ''عمر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ساٹھ برس کی اور بعضے باسٹھ برس چھ مہینے کی اور بعضے پینسٹھ برس کی کہتے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق تریسٹھ برس لکھتے ہیں۔'' (احوال الانبیاء جلد۲ صفحہ ۳۳۰)

اگر احمدی محققین حضرت مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تحقیق وجستجو سے کام لیں اور اس کے بارے میں مختلف دلائل وقرائن اور واقعات وشواہد یا روایات و بیانات کی چھان پھٹک کریں تو کسی اہلِ علم کے نزدیک محل اعتراض نہیں ہوسکتا تھا مگر عدالت نے جس انداز میں اس علمی تحقیق کو بھی محل اعتراض ٹھہرایا وہ عدالت کے اندرونی تعصّب اور بغض کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی ہے اور جو نتیجہ عدالت نے اخذ کیا وہ یقیناً مبنی بر تعصب، غلط اور بے بنیاد ہے۔

حضرت مرزا صاحب کے سوانح نگاروں نے مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں قابل تعریف تحقیق وتدقیق سے کام لیا، حضرت مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش معین طور پر کسی یادداشت میں ریکارڈ نہیں تھی کیونکہ ان کے زمانہ میں نہ ایسی یادداشت رکھنے کا رواج تھا اور نہ ہی اس زمانے کا کوئی سرکاری رجسٹر یا ریکارڈ موجود ہے چنانچہ ان کی تاریخ پیدائش یا عمر کے بارے میں کوئی اندازہ ان کے اپنے الہامات، یا ان کی تحریرات یا ان کے ہم عصروں کی روایات سے ہی لگایا جا سکتا تھا۔ خود اپنی عمر کے بارے میں حضرت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں لکھا:-

> "عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت تک جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔"

مرزا صاحب کے اپنے الہامات اور نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی پوری طرح سے حضرت مرزا صاحب پر صادق آتی ہے اور مرزا صاحب کی عمر اور نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی

کے پورا ہونے کے بارے میں کوئی بات مبہم نہیں رہتی۔ کیونکہ مرزا صاحب کو قریباً ۴۰ سال کا عرصہ حسب پیشگوئی نعمت اللہ ولی کی طرف سے دیا گیا تھا۔ مرزا صاحب کے سوانح نگاروں نے علم تقویم کے ذریعے بھی مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش اور عمر متعین کی ہے۔

۱۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:- "یہ عاجز بروز جمعہ چاند کی چودھویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے۔" (تحفہ گولڑویہ طبع اوّل صفحہ ۱۱۰ حاشیہ)

۲۔ "میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ جمعہ کا دن تھا اور پچھلی رات کا وقت تھا۔" (ذکر حبیب صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹)

اب مندرجہ بالا قطعی اور یقینی تعین سے کہ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی تاریخ از روئے حساب معلوم کرنا نہایت آسان ہے کیونکہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو سالوں میں آئی یعنی

۱۔ ۱۷ رفروری ۱۸۳۲ء

۲۔ ۱۳ رفروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ رشوال ۱۲۵۰ھ

مندرجہ بالا تحقیق کی رُو سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت اقدس کی تاریخِ ولادت ۱۴ رشوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ رفروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ہے۔ حضرت اقدس کی وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اب ۱۳۲۶ھ - ۱۲۵۰ھ = ۷۶ سال گویا حضور کی عمر ۷۵ سال ۶ ماہ اور دس دن ہوئی جو الہامات کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا ایک علمی تحقیق کے بارے میں فاضل عدالت کا یہ کہنا کہ وہ محض پیشگوئی کو پورا کرنے کی خاطر تھا، درست نہیں۔

غرضیکہ عدالت نے حضرت مرزا صاحب کی تاریخِ پیدائش پر ایک علمی تحقیق کو بھی اپنے تعصب کے اظہار کا آلہ بنانے سے گریز نہیں کیا۔ حالانکہ مندرجہ بالا مختصر معروضات سے یہ بات واضح ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی صداقت پرکھنے کا ہی سوال تھا تو یہ سوال دورانِ بحث اگر اُٹھایا جاتا تو مندرجہ بالا مختصر بحث کے علاوہ نہایت تفصیل کے ساتھ کافی وشافی مواد تمام شبہات کو دُور کرنے کے لیے پیش کیا جا سکتا تھا مگر فاضل عدالت نے محض یکطرفہ طور پر معاندین سلسلہ احمدیہ کی کتب سے متاثر ہو کر ایک فریق مقدمہ کے مقام پر کھڑے ہو کر محض اعتراض کرنے کی خاطر ایک سوال کو اُٹھا کر اپنے عدالتی فیصلہ کو مجروح کر کے غیر متعلّقہ بحث اُٹھائی جس نے فیصلے کی غیر جانبدارانہ حیثیت کو مجروح کیا۔ اور یہ حصہ بھی عدالت کے فیصلے سے حذف کیا جانا ضروری ہے۔ یا اس حصہ پر سائلان کے مفصّل دلائل کا بھی صفحۂ ریکارڈ پر لایا جانا ضروری ہے۔

عدالت نے اس کے بعد مزید غیر متعلقہ مباحث کو فیصلہ میں داخل کیا اور "مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی تاریخ اور ارتقاء" کو بیان کر کے اپنے اندرونی تعصب کا اظہار کیا اور فیصلہ کے تقدس کو پامال کیا۔

(۳)

عدالت نے فیصلے کے صفحہ 39 تا 50 میں حضرت مرزا صاحب کی معرکتہ الآراء تصنیف براہین احمدیہ کو اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔ براہین احمدیہ کی تصنیف، اس کی اشاعت کے وسائل، اس کے مضامین کا حجم، اس کے دلائل کی عظمت کسی مرحلہ پر بھی زیر بحث نہیں آئے مگر عدالت نے ان امور پر مخالفانہ تبصرہ کرنا ضروری سمجھا جو عدالت کے تعصب اور جانبداری پر دلالت کرتے ہیں۔

عدالت نے جو معاندانہ تبصرہ براہین احمدیہ سے متعلق امور پر کیا ہے وہ بھی یکطرفہ، بلا جواز اور غیر متعلق ہے۔ زیر نظر سوال کا تعلّق صرف آرڈیننس کے قرآن وسنّت سے متصادم ہونے یا نہ ہونے کا تھا۔ براہینِ احمدیہ ایک بلند پایہ علمی تصنیف تھی یا کوئی بے مایہ کتاب؟ اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلّق نہیں تھا۔ اگر براہینِ احمدیہ کے دلائل کمزور اور بے حقیقت تھے تو اس سے آرڈیننس قرآن وسنت کے مطابق نہیں ٹھہر سکتا اور اگر مرزا صاحب نے یہ کتاب دنیاوی مقام مرتبہ اور شہرت کے حصول کے لیے ہی لکھی تھی اور مالی منفعت ہی انکا مقصود تھا تو پھر بھی آرڈیننس قرآن وسنت کے مطابق کیسے ہو گیا؟ آرڈیننس کے جواز یا بطلان کا براہین احمدیہ کے مقام ومرتبہ یا اس کی تصنیف کے اغراض ومقاصد کا قطعاً اس بات سے دُور کا بھی کوئی تعلّق نہیں تھا مگر عدالت نے اپنے فیصلہ میں براہین احمدیہ پر بھی متعصّبانہ تبصرہ روا رکھا جو نہ صرف غیر متعلّق بلکہ سراسر خلاف واقعہ ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ براہین احمدیہ ایک ایسی نادر اور عظیم الشان تصنیف ہے کہ جو آج بھی اہلِ علم کی عقل کو خیرہ کیئے دیتی ہے۔ براہین احمدیہ کی عظمت سے نہ مرزا صاحب

کے ہمعصر انکار کر سکے نہ ان کے معاندین کو ہی اس سے انکار کی جرأت ہوئی۔ ہر چند کہ عدالت نے اظہار تعصّب کے طور پر براہین احمدیہ کی مختلف جلدوں کے حجم پر تبصرہ کیا۔اس کے مضامین کا اشارۃً یا کنایۃً بھی ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یا تو عدالت نے براہین احمدیہ کے مضامین کا مطالعہ ہی نہیں کیا اگر ایسا ہے تو بغیر مطالعہ کئے کتاب پر تبصرہ کرنا علمی دیانتداری کی کوئی قابل رشک مثال نہیں۔اور اگر عدالت براہین احمدیہ کے مضامین سے واقف تھی تو ان مضامین سے صرفِ نظر کر کے غیر متعلقہ ضمنی امور پر تبصرہ تعصب کی بدترین مثال ہے۔

جہاں تک براہین احمدیہ کے مضامین کا تعلق ہے،ان کی مختصر فہرست پر ہی نظر ڈال کر ایک صاحب عقل اور صاحب انصاف انسان اس کتاب کی عظمت واہمیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔براہین احمدیہ کے مضامین کا ایک خاکہ یہ ہے۔

۱۔ عقیدہ توحید کے فضائل۔

۲۔ شرک کے نقصانات۔

۳۔ شرک کی نفی میں دلائل عقلیہ ونقلیہ۔

۴۔ خلق اللہ اور امر اللہ کے لطیف مضامین۔

۵۔ صفاتِ الٰہیہ کا باریک مضمون۔

۶۔ قربِ الٰہی سے متعلق مضامین۔

۷۔ ضرورت قرآن۔

۸۔ کلام الٰہی کا اپنی ذات میں غیر محدود ہونا۔

۹۔ قرآن کریم کی تعلیم کا ہر قسم کی افراط وتفریط سے پاک ہونا۔

۱۰۔ قرآن شریف کا تحریف سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنا اور اس کے نصف درجن دلائل۔

۱۱۔ دیگر مذاہب کی تعلیمات سے قرآن حکیم کی تعلیم کا موازنہ۔

۱۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا اور اس سے صداقت قرآن کریم کی دلیل۔

۱۳۔ قرآن کریم کے تمام علوم اور ادلّہ کاملہ سے صداقت قرآنی پر استدلال۔

۱۴۔ علوم الٰہیات کی تفاصیل جو قرآن میں موجود ہیں سے قرآنی صداقت کا ثبوت۔

۱۵۔ قرآن شریف کی افضلیت پر اندرونی شہادتیں۔

۱۶۔ قرآن کریم کی افضلیت پر بیرونی شہادتیں۔

۱۷۔ افضلیت قرآن پر امورمحتاج الاصلاح، اُمورمحتاج التکمیل، امور قدرتیہ اور امور غیبیہ سے استدلال واستنباط۔

۱۸۔ قرآن کریم کی لفظی ومعنوی خوبیوں پر دلائل۔

۱۹۔ قرآن حکیم سے استقرائی دلائل۔

۲۰۔ قرآن کریم کے عربی نزول کی حکمت۔

۲۱۔ عربی زبان کے باریک در باریک لطائف۔

۲۲۔ قرآن حکیم میں علوم اوّلین وآخرین کا اجتماع۔

۲۳۔ صداقت قرآن کریم از روئے طبیعات۔

۲۴۔ قرآن حکیم میں اخبارِ غیبیہ۔

۲۵۔ قرآن حکیم میں بیان کردہ اُصول صداقتِ انبیاء۔

۲۶۔ قرآن حکیم کی تاثیرات ومعجزات۔

۲۷۔ قرآن حکیم کا مختلف قویٰ اور صلاحیتوں کے افراد کے لئے یکساں طور پر ہدایت ہونا۔

۲۸۔ قرآن حکیم کی علّت فاعلی، علّتِ صوری، علّتِ مادی اور علّتِ غائی کے باریک مضامین۔

۲۹۔ کلام الٰہی اور قانون قدرت کا باہمی ربط۔

۳۰۔ انسانی قویٰ کی تہذیب اور تربیت کے بارہ میں قرآنی علوم۔

۳۱۔ علم معاد کے بارہ میں قرآنی حقائق اور ان سے صداقت قرآن پر استدلال۔

۳۲۔ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت۔

۳۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل۔

۳۴۔ عالم روحانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام۔

۳۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل اور زندہ نبی ہونے پر دلائل۔

۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام خاتم النبیین کے متعلق امور و معارف۔

۳۷۔ مقام دنا فتدلیٰ کی حقیقت

۳۸۔ مقام قاب قوسین کا بیان۔

۳۹۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہادیٔ برحق ہونے کا مضمون اور اس کے دلائل۔

۴۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تائیداتِ الٰہیہ۔

۴۱۔ نور محمدی کی لطیف تفسیر۔

۴۲۔ شجرۂ مبارکہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت مبارکہ میں مماثلت۔

۴۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متمم اخلاق فاضلہ کا بیان۔

۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اخلاق فاضلہ کا ظہور۔

۴۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ثمرات اور اس بارہ میں اپنا وجود بطور شہادت پیش کرنا۔

۴۶۔ ضرورت الہام۔

۴۷۔ عقل اور الہام کا باہمی تعلق۔

۴۸۔ مجرد عقل کے نقصانات۔

۴۹۔ قوائے اخلاقیہ اور انوار قلبیہ میں انسانوں کے درمیان تفاوت اور ان سے استدلال۔

۵۰۔ حق الیقین کے حصول کے لئے عقل کے ساتھ الہام کی ضرورت۔

۵۱۔ معجزات کی حقیقت۔

۵۲۔ معرفت کاملہ کے لیے قانونِ قدرت کا مطالعہ۔

۵۳۔ عملِ صالح کی حقیقت۔

۵۴۔ مذاہب غیر کی جہالتیں اور گمراہیاں۔

۵۵۔ انسان کی ترقیات ثلاثہ۔

۵۶۔ سلوک کے مراتب۔

۵۷۔ کشوف صادقہ

۵۸۔ عالم روحانی اور عالم جسمانی کی مماثلت۔

غرضیکہ ایک طویل سلسلہ مضامین کا اس شان کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عصر حاضر کے فلسفہ سے متاثر ذہنوں کو ہر پہلو سے مطمئن کر دے۔ اس شان اور اس عظمت کی کتاب کا ذکر یوں کر دینا کہ گویا یہ چند صفحوں کی کتاب ہے اور اس کی عظمت کا اندازہ محض اس کے حجم سے لگانے کی کوشش نہایت غیر عالمانہ اور غیر ثقہ اندازِ فکر کا آئینہ دار ہے۔ وہ لوگ جن کو اُس دَور کی ظلمتوں کا سامنا تھا اور جن کی آنکھوں کے سامنے مغربی تعلیم کی یلغار ایک ریلے کی صورت میں مسلمانوں کو بہائے لیے جا رہی تھی انہوں نے اس کتاب کو کس نظر سے دیکھا۔

اس بارہ میں آپ کے ایک ہمعصر مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو ریویو اپنے رسالہ اشاعۃ السُنہ میں کئی اقساط میں شائع کیا اس کتاب کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

> "ہماری رائے میں یہ کتاب (براہین احمدیہ ناقل) اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔
>
> (رسالہ اشاعت السنہ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۰)

۴

براہین احمدیہ پر عامیانہ اعتراض کرنے کے بعد عدالت نے اس کتاب کے مضامین سے یہ اعتراض اُٹھایا کہ "مرزا صاحب کے دعاوی بتدریج ظہور میں آئے۔ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد مجدّد کا دعویٰ کرنے میں دو سال لگا دیئے۔" مسیح موعود کا دعویٰ کرنے کے لیے انہوں نے لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اور ظلّی نبوت کے دعویٰ کے لیے انہوں نے کہا کہ ان کی طرف وحی نازل ہوتی ہے اور عیسیٰ علیہ السّلام کی طبعی وفات اور ان کا کشمیر میں مدفون ہونا گویا صرف اس لیے تراش لیا گیا تھا تاکہ خود مثیلِ مسیح بن سکیں اور خاتم النبیین کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے لفظ خاتم کے نئے معنی دریافت کر لیے۔

یہاں پھر وہی سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ آخر آرڈی ننس کے جواز یا بطلان کا مرزا صاحب کے دعاوی کی تدریج سے کیا تعلق؟ اگر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی تدریجاً نہ ہوتے تو کیا اس وجہ سے آرڈی ننس قرآن و سنت کے خلاف قرار پاتا؟ اور اگر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی تدریجاً ظہور میں آئے تو کیا اس وجہ سے آرڈی ننس قرآن و سنت کے مطابق ہو جائے گا؟

جب کوئی نسبت اور کوئی تعلق دونوں باتوں میں سرے سے موجود ہی نہیں تو آرڈی ننس کے خلافِ قرآن و سنت کی بحث میں حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا ذکر ہی غیر متعلق اور بے ربط ہے۔ مگر عدالت کا حضرت مرزا صاحب کے دعاوی میں تدریج کا الزام بھی کوتاہیٔ فکر اور قلّت تدبر اور کم علمی پر مبنی ہے۔ اگر عدالت کو یہ علم ہوتا کہ انبیاء کی تاریخ میں اس قسم کا الزام کوئی نئی بات نہیں اور اس اعتراض کی زد خود ہمارے سیّد و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتی ہے تو عدالت یہ اعتراض اُٹھانے کی جسارت نہ کرتی۔ وہی تدریج جو عدالت کو حضرت مرزا صاحب کے دعاوی میں نظر آئی، عیسائی مستشرقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی میں بھی نظر آتی تھی۔ ڈاکٹر زویمر اپنی کتاب STUDIES IN POPULAR ISLAM میں لکھتا ہے۔

> ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً تعلیم اور تبلیغ اور دلائل کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ ابتدائی سورتوں میں اس نے صرف ایک نذیر (WARNER) ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن جب وہ طاقتور ہو گیا اور اپنی نئی حیثیت کا احساس اُسے ہونے لگا تو اُس نے تلوار کے استعمال کی اجازت دیدی۔ تلوار کے استعمال کے اصول کا یہ ارتقاء ایک اسلامی مصنف ابن عابدین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ جس کے مطابق جہاد کا حکم تدریجاً نازل ہوا۔ کیونکہ پہلے پہل رسول اللہ کو صرف اپنا پیغام پہنچانے کا حکم ہوا۔ پھر بحث و مباحثہ اور دلائل کے ساتھ قائل کرنے کا ارشاد ہوا۔ اور تیسرے مرحلہ پر مومنوں کو سوائے حُرمت والے مہینوں کے لڑنے کی اجازت دیدی گئی اور اس کے بعد بلا استثناء ہر موسم میں لڑنے کی مکمل اجازت دیدی گئی۔'' (سٹڈیز اِن پاپولر اسلام صفحہ ۳۸ مصنفہ ڈاکٹر زویمر)

غور سے دیکھا جائے تو ماموریں کی زندگی میں دعویٰ کا تدریجی ارتقاء دراصل ان کی صداقت کی ایک دلیل بن جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو تو مخالفت کی وجہ سے قدم پیچھے ہٹنا چاہیئے۔ اگر مقصد شہرت عام یا سرداری حاصل کرنا یا دولت کمانا ہو تو کوئی جھوٹا مدعی مخالفت کے باوجود اپنے دعوے میں آگے کو نہیں بڑھ سکتا مگر ماموریں الٰہی کی عجیب کیفیت ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے علم کی وجہ سے جو بات کہتے ہیں اس کی بناء پر زمانہ ان کا مخالف ہو جاتا ہے مگر وہ الٰہی اشاروں پر اپنا قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور انہیں اس بات کی پرِ کاہ کے برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ انکا ہر نیا دعویٰ اہل دنیا کے نزدیک انکی شہرت کو ختم کر دیتا ہے۔

۵

ایک اور امر جس کو عدالت موصوف نے ناروا اور ناجائز طور پر اپنے فیصلہ میں شامل کیا وہ مرزا صاحب کی بعض پیشگوئیوں سے تعلّق رکھتا ہے۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں یا روزِ روشن کی طرح پوری آب و تاب کے ساتھ سچی ثابت ہوئیں اور دلوں کی تاریکیاں دور کرنے کا باعث بنیں یہ امر عدالت کے زیر غور ہی نہیں تھا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں سچی نکلیں تو بھی آئینی ترمیم کو عدالت مسترد نہیں کرسکتی تھی اور مرزا صاحب کو سچا قرار دیکر احمدیوں کو مسلمان قرار دینے کی مجاز نہیں تھی اور نہ ہی پیشگوئیوں کی صداقت کو بنیاد بنا کر عدالت یہ فیصلہ کرسکتی تھی کہ زیر نظر آرڈیننس قرآن و سنت کے منافی ہے لہٰذا یہ ساری بحث ہی لاتعلق اور غیر ضروری تھی۔ عدالت نے یہ امر اپنے فیصلہ میں شامل کر کے غلط اور بے بنیاد باتوں سے سائلان کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور غلط نتائج اخذ کئے ہیں۔ پیشگوئیاں، معجزات اور نشانات مذہبی دنیا کے مہتم بالشان واقعات ہوتے ہیں، مگر تاریخ مذاہب شاہد ہے کہ منکرین کبھی معجزات کو دیکھ کر یا پیشگوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر ایمان نہیں لائے۔ حضرت عیسیٰ مُردوں کو جلا بخشتے رہے، کوڑھیوں کو چنگا کر دیا، اندھوں کو بینائی بخشی مگر ان تمام بدیہی نشانات کے باوجود لوگوں کی اکثریت ان پر ایمان نہ لائی اور عیسائی لٹریچر کے مطابق صرف ۱۲/ بارہ حواری انہیں میّسر آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے کیا کیا نشانات دکھائے۔ ساحروں میں سے سعید روحیں تو ایمان لے آئیں لیکن انہیں نشانات کو فرعون نے سچا تسلیم نہ کیا اور ایمان نہ لایا۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شق القمر کو دیکھ کر کتنے لوگ ایمان لے آئے؟ ہر نبی کے زمانے میں مکذب رہے ہیں۔ جب کسی نے دعویٰ کیا اس کا انکار کرنے والے پیدا ہو گئے جو لوگ مکذب ہونے پر فخر کرتے ہیں وہ تو لازماً نبی کی پیشگوئیوں کو جھوٹا قرار دیتے ہیں اس کے علاوہ اُن کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں۔ اگر ان مکذبین کی عدالت قائم ہو تو یقیناً ان کے جھوٹا ہونے کا ہی فیصلہ دیں گے۔ اس طرح تو ہر وہ نبی جس کو عدالت مسلّمہ طور پر سچا تسلیم کرتی ہے اپنے مکذبین کے جھٹلانے کی وجہ سے جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔

عدالت نے حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو موضوع بحث بنا کر خواہ مخواہ کی تکلیف گوارہ کی۔ کون نہیں جانتا کہ اگر فاضل عدالت کے ارکان مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو سچا سمجھتے تو آج عدالت کی کرسی پر نہ ہوتے۔ کیونکہ عدالت کی کرسی پر بیٹھنے سے پہلے انہیں مرزا صاحب کی تکذیب کا فارم پُر کرنا پڑتا ہے۔ اور عدالت کے سب ارکان یہ فارم پُر کر کے ہی کرسیِ عدالت پر رونق افروز ہو سکے تھے لہٰذا یہ عدالت کی مجبوری تھی کہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو غلط قرار دیتی۔

پیشگوئیوں اور معجزات کی دنیا ایک باریک امر ہے اور اس پر کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے عدالت کیلئے ضروری تھا کہ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتی، سائلان کو بحث کے لئے موقع بہم پہنچاتی تو یہ امر واضح ہو جاتا کہ انبیاء بشیر اور نذیر ہوتے ہیں، وہ خوشخبریاں بھی سناتے ہیں اور انذاری پیشگوئیاں بھی ان سے ظہور میں آتی ہیں۔ جو پیشگوئیاں تبشیری رنگ رکھتی ہیں وہ تو مومنوں کو حوصلہ دلانے اور ازدیادِ ایمان کیلئے ہوتی ہیں اور انذاری پیشگوئیاں تخویف یعنی ڈرانے کیلئے ہوتی ہیں تاکہ غافل اور ضدی لوگ فائدہ اُٹھائیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا (بنی اسرائیل:۶۰) اور جیسا کہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جز نمبر۲ میں فرماتے ہیں:-

''خوشخبری تو حفظِ صحت کے قائم مقام ہے اور انذار بیماری کے ازالہ کے قائمقام اور کوئی شک نہیں کہ مقصود پہلی بات ہی ہے۔''

انذاری پیشگوئیوں کے مطابق جس عذاب کی خبر دی جاتی ہے اس کا مقصد خوف دلانا ہی ہوتا ہے اور ان اقوام کو تباہ کر دینا بھی جو انذار سے فائدہ نہیں اُٹھاتیں اور سرکشی میں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں جیسا کہ سورۃ سجدہ کی آیت ۲۱ سے واضح ہے۔ گویا وعید کی اصل غرض رجوع کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے نہ کہ عذاب دینا جیسا کہ سورۃ اعراف کی آیت ۹۴ میں لَعَلَّھُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ سے واضح ہے اور عذاب کی پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے ٹل جاتی ہیں جیسا کہ سورۃ انفال کی آیت ۳۴ سے واضح ہے۔ فرماتا ہے:-

''یہ بات خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو عذاب دے جو استغفار کر رہے ہوں۔''

آیات قرآنی، تاریخی واقعات اور آئمہ سلف کی تحریریں اس امر پر شاہد ہیں کہ اگر کسی کے استغفار کی وجہ سے عذاب ٹل جائے تو پیشگوئی جھوٹی نہیں کہلا سکتی کیونکہ ہر

انذاری پیشگوئی میں توبہ ایک مخفی شرط ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۴۰۴ میں فرماتے ہیں کہ:-

''وَعِنْدِیْ جَمِیْعُ الْوَعِیْدَاتِ مَشْرُوْطَۃٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا یَلْزَمُ مَنْ تَرْکِہٖ دُخُوْلُ الْکِذْبِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالیٰ۔''

اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیّہ میں لکھتے ہیں کہ ''وعید کی پیشگوئیاں ٹل جایا کرتی ہیں''۔ خود قرآن کریم کی سورۃ یونس کی آیت ۹۸ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دُعا سے عذاب ٹل جایا کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد۵ صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ:-

''جب حضرت یونسؑ کی قوم پر عذاب آنے کا وقت قریب آیا تو تضرعات اور دعائیں بلند ہوئیں اور انہوں نے توبہ اور تضرع سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کر کے عذاب ٹال دیا۔''

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں ''وعید کی پیشگوئیوں کا ٹل جانا ہی سنت الٰہی ہے اور اس سے نفسِ پیشگوئی پر کوئی حرف نہیں آتا''۔ اور امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ ۵۰۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

''اصل مقصد انذاری پیشگوئیوں اور عذابوں سے توجہ پیدا کرنا ہوتا ہے اس لیے سب کی سب پیشگوئیاں مشروط بہ توبہ ہوتی ہیں خواہ وہ شرط صراحتاً الفاظ میں مذکور ہو یا نہ ہو۔''

یہ سارے امور ظاہر کرتے ہیں کہ پیشگوئیوں کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے پیشگوئیوں کا پس منظر، ان کے مصداق افراد کی پوری واقفیت اور حالات کی پوری تفصیلات پر نظر ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔

عدالت نے مرزا صاحب کی جن پیشگوئیوں کو محلِ اعتراض بنایا ہے ان میں سے تین پیشگوئیاں وعید و انذاری پیشگوئیاں ہیں اور عدالت نے ان کے پس منظر اور متعلقہ افراد کے اپنے حالات و واقعات کی نہ تو چھان بین کی اور نہ اس پر تفصیلاً نظر ڈالی۔ محض مخالفین کے لٹریچر سے متاثر ہو کر اور اِدھر اُدھر سے چند اقتباسات لے کر ایک رائے قائم کی ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے اور مبنی بر انصاف نہیں۔

ایک پیشگوئی جس پر عدالت نے رائے زنی کی ہے وہ پادری عبداللہ آتھم سے تعلق رکھتی ہے۔ عدالت نے نہ تو عبداللہ آتھم کے حالات کو مدِّنظر رکھا، نہ پیشگوئی کے الفاظ کو ہی سمجھا اور نہ اس وقت کے واقعات کو پیشِ نظر رکھا، ورنہ عدالت کے علم میں یہ بات آجاتی کہ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کے بارے میں یہ بات بڑی وضاحت سے ثابت ہو چکی تھی کہ اس نے توبہ کی اور رجوع کیا اور اپنی بدزبانی سے باز آ گیا اور اس طرح سے وہ فوری عذاب کی گرفت سے بچ گیا کیونکہ یہی سُنّتِ الٰہی ہے۔ عدالت نے اس پیشگوئی کے پس منظر پر نظر نہیں ڈالی جو یہ تھی کہ امرتسر کے عیسائیوں نے ایک کھلے اشتہار کے ذریعہ اہلِ اسلام کو ایک مقابلے کی دعوت دی اور چیلنج کیا کہ اگر وہ مناظرے میں شریک نہ ہوئے تو آئندہ عیسائیت کی تبلیغ کے مقابل خاموشی اختیار کریں۔ ایک طرف تو عیسائیوں کی طرف سے کھلا چیلنج تھا، عالم یہ تھا کہ علماء میں سے کوئی اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھا چنانچہ میاں محمد بخش صاحب جو جنڈیالہ کے ایک معزز مسلمان تھے اور حضرت مرزا صاحب کے پیروکاروں میں سے نہ تھے انہوں نے مرزا صاحب سے درخواست کی کہ وہ اہلِ اسلام کی جانب سے مباحثہ میں شریک ہوں۔ عیسائیوں کی طرف سے پادری عبداللہ آتھم مناظر مقرر ہوئے۔

عبداللہ آتھم کون تھا؟ وہ عیسائیت کا ایک نہایت ہی سرگرم مبلغ اور مناظر مشہور تھا۔ ایسے شخص کے مقابل میں جو مباحثہ مرزا صاحب نے کیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ بنیادی عیسائی اور اسلامی عقائد، منطق کی اصطلاحیں اور بحث و مباحثہ کے کون کون سے طریق عبداللہ آتھم نے استعمال نہ کیے اور ان کا جواب کس شان سے دیا گیا یہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ وہ مباحثہ کوئی زبانی مباحثہ نہ تھا، جو فضا میں تحلیل ہو گیا ہو بلکہ یہ مباحثہ تحریری طور پر عمل میں آیا اور جنگِ مقدس کے نام سے شائع ہوا۔ عدالت نے نہ صرف احمدیہ جماعت بلکہ اہل اسلام کی دلآزاری یہ کہہ کر کی کہ مرزا صاحب نے پادری کے دلائل سے عاجز آ کر مباہلہ کا اعلان یا مذکورہ پیش گوئی کر دی۔ حق یہ ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے درمیان اس معرکے میں اہلِ اسلام کی طرف سے پیش ہونے والے جری مناظر کو ہزیمت زدہ قرار دینا خود اسلام کے لیے غیرت کی نفی ہے۔ مگر قطع نظر اس کے کہ اگر مرزا صاحب ہی دلائل میں عاجز آ گئے تھے تو مباحثہ تحریری طور پر موجود تھا وہ عیسائیوں کی طرف سے شائع ہونا چاہیئے تھا مگر انہوں نے اسے شائع نہ کیا اور مرزا صاحب نے پورا کا پورا مباحثہ شائع کر دیا تو ہزیمت زدہ کون تھا؟

مرزا صاحب کی شائع کردہ مباحثہ کی یہ کاروائی آج بھی اہل علم کے مطالعہ کے لئے موجود ہے۔ ہزیمت کسے ہوئی؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ مباحثے میں عبداللہ آتھم کی بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار اپنا بیان بدلتا تھا اور اِس کو خود عیسائی سامعین اور پادری محسوس کرتے تھے اور دورانِ مباحثہ عبداللہ آتھم بیماری کا عذر کر کے مناظرے سے الگ ہو گیا، اور اس کی جگہ ہنری مارٹن کلارک کو پیش کیا گیا۔ مناظر کا یوں میدانِ مناظرہ سے فرار مناظرے کو ختم کر دینے کیلئے کافی ہوسکتا تھا مگر مرزا صاحب تو حق کے قائل تھے چنانچہ مباحثہ جاری رہا۔

غرضیکہ مباحثے سے پہلے اور بعد کے واقعات کا علم پیشگوئی کو سمجھنے کے لیے ضروری تھا مگر عدالت نے ان تمام حقائق سے گریز کرتے ہوئے یہ لکھنے میں کوئی عار نہ سمجھا کہ حضرت مرزا صاحب دلائل میں عاجز آ گئے۔ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عدالت نے ان دلائل کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔ لائق صد افسوس امر یہ ہے کہ عدالت نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آیا یہ پیشگوئی مرزا صاحب نے اپنی سچائی کے سلسلہ میں کی تھی یا اسلام کی سچائی میں۔ اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا کہ مسائل مناظرہ کیا تھے۔ الوہیت مسیح کے لیے پادری صاحب کیا کیا دلائل دیتے رہے اور مرزا صاحب نے کیسے کیسے ان کو توڑا اور کیا الوہیتِ مسیح کے دلائل ہی کا پلڑا بھاری تھا؟ یا اس کی نفی میں قرآن کریم کے دلائل غالب تھے؟ عاجز کون آیا؟ یہ امر مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بات گو مباحثہ کی کاروائی دیکھنے سے بھی عیاں ہوگی مگر مرزا صاحب نے جو پیشگوئی کی وہ کیا تھی؟ وہ یہ تھی:-

''مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائیگا اور اس کو سخت ذِلّت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔''

اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ سوال کیا:-

''اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھہرے گی یا نہیں ٹھہرے گی اور رسول اللہ کے سچے نبی ہونے کے بارے میں جنکو "اندرونہ بائیبل" میں دجّال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں۔''

عدالت نے نہ تو پوری عبارت نقل کی نہ اس کی طرف توجہ کی اور ایسے نتائج اخذ کیے جو خلاف واقعہ ہیں۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ وعید کی پیشگوئیوں میں اگر صراحتاً الفاظ موجود نہ بھی ہوں تو بھی رجوع اور توبہ ایک مخفی شرط ہوا کرتی ہے اور اس بارہ میں ہم قرآنی آیات اور امام فخر الدین رازی کا قول نقل کر چکے ہیں مگر اس پیشگوئی میں تو ''بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے'' کی شرط واضح الفاظ میں موجود ہے۔

عبداللہ آتھم کا رجوع تو اس مجلس میں ظاہر ہو گیا تھا جب پیشگوئی سنتے ہی:-

''اس نے فوراً زبان باہر نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھے، رنگ زرد ہو گیا، آنکھیں پتھرا گئیں اور سر ہلا کر کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں لکھا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دجّال کا لفظ استعمال نہیں کیا)'' (رسالہ نور احمد صفحہ ۳۲)

اسی وقت کی روایات میں یہ بات بھی ریکارڈ پر آ گئی کہ:-

''آتھم اُٹھا اور گر پڑا حالانکہ وہ بہت قوی آدمی تھا اور دو عیسائیوں نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھایا اور اسکی یہ حالت دیکھ کر خود بعض عیسائی یہ کہنے لگے کہ آتھم بے ایمان ہو گیا ہے اور ڈر گیا ہے۔'' (روایت منشی ظفر احمد کپورتھلوی)

عبداللہ آتھم کے رجوع کے بارے میں بہت کچھ مواد تاریخ میں موجود ہے۔ یہ پیشگوئی اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی شکست کا ایک عظیم نشان تھا۔ آتھم ایک مشہور منّاد اور مبلغ تھا مگر اس پیشگوئی کے بعد اس نے مسیحیت کی تائید میں کتب اور رسالہ جات کا کام بند کر دیا اور آخر دم تک خاموشی اختیار کیئے رہا۔ رجوع کی اس سے زیادہ واقعاتی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے مگر صرف رجوع نہیں وہ عملاً ایک ہاویہ میں گرایا گیا حواس کا یہ عالم تھا کہ اسے عجیب عجیب قسم کے نظارے نظر آنے لگے، اس کے دوستوں اور رشتہ داروں نے بیان کیا کہ اُسے کبھی سانپ نظر آتے ہیں جو اسے کاٹنے کو دوڑتے ہیں اور کبھی کُتّے اسے کاٹنے کے لیئے دوڑتے ہیں اور کبھی نیزہ اُٹھائے ہوئے لوگ اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ وہ خوف کے مارے ایک جگہ سے دوسری جگہ شہر بہ شہر بھاگتا رہا اور پوری طرح خوف کی گرفت میں آ گیا اور اپنی زبان کو اسلام اور رسولِ اسلام کی دُشنام دہی سے روک لیا۔

اور رجوع آخر کیا چیز ہوتی ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اخبار نورِ افشاں ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۴ء میں یہ اعلان کیا کہ:-

''میں عام عیسائیوں کے عقیدۂ ابنیت والوہیت کے ساتھ متفق نہیں اور نہ میں اُن عیسائیوں سے متفق ہوں جنہوں نے آپ کے ساتھ بے ہودگی کی۔''

مرزا صاحب کی پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے کہ "جو ایک عاجز بندے کو خدا بنا رہا ہے" گویا پیشگوئی کی بنیاد الوہیت مسیح تھی۔ آتھم نے اپنے اقرار کے مطابق اس سے رجوع کیا اور رجوع کیا چیز ہوتی ہے؟ آتھم کے پندرہ ماہ کے بعد زندہ رہنے پر جب مخالفین نے یہ شور مچایا کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو پوری دنیا کے اعتراضات کے جواب میں جو کچھ مرزا صاحب کی طرف سے لکھا گیا وہ ایک الگ باب ہے مگر اہل اللہ میں سے تو یہی شہادت آئی کہ آتھم کی پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ "انجام آتھم" جب حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے پڑھی تو انہوں نے یہی لکھا کہ "مرزا صاحب نیک اور مرد صادق ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے الہامات کی ایک کتاب (انجام آتھم) بھیجی ہے۔ ان کا کمال اس کتاب سے ظاہر ہے۔" اسی اثناء میں علماء ظواہر میں سے کسی نے (جو حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا) حضرت مرزا صاحب کے متعلق زبان درازی اور آپ کا ردّ وانکار کیا۔ حضرت خواجہ صاحب ابقاہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "نہیں نہیں وہ مرد صادق ہیں، مفتری اور کاذب نہیں ہیں۔ ان کا دعویٰ جعلی اور خود ساختہ نہیں ہے۔" یہ بھی لکھا: "اگر مرزا صاحب مہدی ہوں تو کونسی بات مانع ہے۔" اور مزید لکھا:-

''حضرت مرزا غلام احمد قادیانی حق پر ہیں اور وہ اپنے دعویٰ میں راستباز اور صادق ہیں۔" پادری آتھم کا ذکر حضرت خواجہ صاحب کی مجلس میں ہوا تو فرمایا کہ ''اگر عبداللہ آتھم حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کی مقررہ مدت کے اندازہ اور حد سے باہر چلا گیا یعنی پیشگوئی کی معیاد کے بعد فوت ہوا لیکن مرزا صاحب کے سانس (یعنی بددعا) سے مرا۔'' (ارشاداتِ فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲،۴۳)

الغرض آتھم کی پیشگوئی بہت سے پہلو اپنے اندر رکھتی تھی۔ بہت سی باتیں سمجھنے اور بہت سے واقعات کا علم ضروری تھا۔ پیشگوئیوں کے بارے میں سنّت اللہ اور قرآن حکیم کے بیان فرمودہ فلسفے کی معرفت ضروری تھی اور اس سارے معاملے میں ایک فریق بن کر محض طعنہ زنی کے لئے اس پیشگوئی کا ذکر ایک یکطرفہ کارروائی تھی جو عدالت کے منصب کے خلاف تھی۔ اس پیشگوئی کی تفصیلات کے بارے میں احمدیہ لٹریچر اور مخالفانہ لٹریچر دونوں ہی اربابِ دانش کے لئے کھلی دعوت ہیں۔ عدالت کا فیصلہ اس بحث کا کوئی مناسب محل نہ تھا اور اس حصّہ کو بھی فیصلے میں سے حذف کیا جانا ضروری ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۵۴ میں یہ لکھا کہ پیشگوئی میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ آتھم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی تھیں۔ حالانکہ یہ بات واقعتہً غلط ہے کیونکہ عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب موسومہ "اندرونہ بائبل" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دجّال قرار دیا تھا اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب نے یہ فرمایا تھا:-

''اب ڈپٹی صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھہرے گی یا نہیں۔ اور رسول اللہؐ کے سچے نبی ہونے کے بارے میں جن کو "اندرونہ بائبل" میں دجّال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں، محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں۔''

اس کے علاوہ ایک عاجز بندے کو خدا بنانے کے اعتقاد کا ذکر اور اس کا پیشگوئی کی بنیاد ہونا عدالت کو تسلیم ہے اور اس عقیدے سے رجوع ہم آتھم کی اپنی تحریر سے ظاہر کر چکے ہیں۔

دوسری پیشگوئی جس پر عدالت نے رائے زنی کی ہے اس کا تعلق محمدی بیگم کے نکاح اور بعض دیگر امور سے ہے۔ عدالت نے فیصلہ کے صفحہ ۵۹ سے لیکر ۶۵ تک محمدی بیگم کی پیشگوئی پر تبصرہ کیا ہے۔ اصولی طور پر یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ پیشگوئی کے پُورا ہونے یا نہ ہونے سے کا واقعاتِ مقدمہ سے کوئی تعلّق نہ تھا اور پیشگوئی کے پُورا ہونے یا نہ ہونے سے مقدمے کے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ جو بات اہم اور قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ان امور کا ذکر اور اندازِ بیان عدالت کی غیر جانبدارانہ حیثیت کو مجروح کرتا ہے۔ عدالت نے اس پیشگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

''محمدی بیگم سے مرزا صاحب کی شادی کی کوششیں اور ان کی ناکامی معلوم ومشہور ہیں۔''

اوراس کے بعد پیشگوئی پر اعتراض اوراس کے نہ پورا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اندازِ بیان یہ ہے کہ گویا محمدی بیگم سے شادی پیشگوئی کا بنیادی نقطہ تھی اور گویا شادی کی خاطر اپنی طرف سے الہام بنالیا گیا تھا۔ یہ انداز اختیار کرکے بدقسمتی سے عدالت نے اپنے آپ کو سر ولیم میور اور دیگر مستشرقین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے جوان باریک امور سے آگاہی نہ ہونے کے باعث محض دنیادارانہ نگاہ سے ایسی پیشگوئیوں کو دیکھتے ہیں اوران پر محض اپنی زمینی خرد کے زیرِ اثر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ شادی کی خاطر الہام بنالینے کا اعتراض اس وقت بھی کم فہمی پر مبنی تھا جب عیسائی مستشرقین نے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا اور اب بھی ان امور سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ عدالت کے لئے ہرگز روا نہ تھا کہ وہ ان نازک امور میں رائے زنی کرتی اور ایسے میدانوں میں قدم رکھتی جن سے وہ آشنا نہیں۔ عدالت نے یہ رویہ اختیار کرکے ایک ایسے اصول کو تسلیم کیا ہے جسے قرآن تسلیم نہیں کرتا اور جس کی بنیاد پر عیسائیوں اور آریوں کو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے کی گنجائش اور موقعہ میسر آتا ہے۔

بدزبان اور گندہ دہن پادری ولیم آف ریواڑی نے جب حضرت زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو اعتراض کا نشانہ بنایا اور شادی کی خاطر وحی تراش لینے کا الزام دھرا تو وہ وہی بات کہہ رہا تھا جو عدالت نے کہی۔ بات اُس کی بھی غلط تھی اور عدالت کی بھی۔ اسی طرح پنڈت کرپارام شرما نے جب اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں بدزبانی سے کام لیا (نوٹ:۔ جن دو حوالوں کا یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے وہ پادری ولیم آف ریواڑی کی کتاب محمد کی تاریخ اجمال صفحہ ۱۴ مطبوعہ کرسچین مشن ریواڑی ۱۸۹۷ء اور پنڈت کرپارام شرما کی کتاب عقائد اسلام پر عقلی نظر صفحہ ۱۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان حوالوں کی زبان ایسی ہے کہ اس کا نقل کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم ان حوالوں کی نشاندہی سے مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عدالت کا اندازِ فکر حتیٰ کہ طرز بیان بھی غیر مسلم معترضینِ اسلام سے نہ صرف مماثلت رکھتا ہے بلکہ اس کا مؤید ہے۔) تو اس نے بھی وحی قرآنی کو محض شادی کی خواہش پر محمول کرلیا تھا اور یہ گمان کرلیا کہ گویا حضور نے نعوذ باللہ خاکم بدہن ہوائے نفس کی خاطر وحی تراش لی تھی۔ مگر قرآن حکیم اُصولاً اس حق کو تسلیم نہیں کرتا کہ کوئی کسی شخص کے بارہ میں یہ کہے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے کوئی بات الہاماً کہی یا نہیں؟

کیونکہ اگر یہ حق تسلیم کرلیا جائے تو تمام انبیاء پر حملے ہوں گے اور میور اور کرپارام کی قبیل کے تمام بوالہوس، انبیاء کے الہامات پر ہوس کی عینک لگا کر اعتراضات کریں گے۔ محمدی بیگم کی پیشگوئی بھی محض شادی کی ایک پیشگوئی نہیں تھی۔ حضرت مرزا صاحب اس بارہ میں بالوضاحت لکھ چکے ہیں کہ 'ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا نے پُورا کردیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی اور ان میں سے وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ ہوگا۔ لیکن ایک اور لڑکا قریب مدّت میں ہونے کا وعدہ دیا جاچکا ہے جس کا نام محمود احمد ہوگا وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ پس رشتہ کی درخواست محض بطور نشان ہے تا خدا تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو عجوبۂ قدرت دکھائے۔ اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان اس پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک ہیں۔ لیکن اگر وہ ردّ کردیں تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبّہ کرے۔' یہ لوگ خود مرزا صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ملحدانہ خیالات کے پیروکار تھے، دین خداوندی سے مرتد ہوچکے تھے، آنحضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے اور ایسے کلمات بولتے تھے جن کے نقل کرنے سے زبان کانپتی ہے، خدا کے وجود کے سرے سے منکر تھے اور مرزا صاحب کے سخت مکفّر اور مکذّب تھے۔ (بحوالہ مکتوب شائع شدہ اخبار چشمہ نور، اگست ۱۸۸۵ء)

غرضیکہ اِن حالات میں محمدی بیگم کے بارے میں پیشگوئی کی گئی تھی اور یہ اَمر مامورین کی سُنّت کے خلاف نہیں تھا کیونکہ اقربین کو انذار اور ان کو مختلف طریقوں سے قریب لانے کی کوشش سُنّتِ انبیاء میں سے ہے۔ بسا اوقات نکاح و ازدواج کے تعلقات سے خاندانوں میں اخوت و مودّت بڑھتی اور خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اپنے ہی خاندان کے افراد جو دینِ اسلام سے دُور جاچکے تھے ان کو واپس لانے کی خواہش کوئی عجیب بات نہ تھی۔ پیشگوئی کی اصل غرض اور اس میں مضمر حکمتِ الٰہی یہی تھی کہ ان لوگوں کو تنبیہ ہو، لہٰذا اس پیشگوئی کو محض محمدی بیگم سے شادی کی کوشش اور ناکامی قرار دینا درست نہیں تھا۔

عدالت نے اس بارے میں بھی مخالف لٹریچر سے حوالے لیکر اعتراضات کی عمارت کھڑی کی ہے۔ مثلاً صفحہ ۶۲ پر حوالہ "نوشتہ غیب" مصنفہ ایم ایس خالد سے الیاس برنی صاحب نے "قادیانی مذہب" میں دیا اور عدالت نے تیسری جگہ الیاس برنی صاحب کی کتاب "قادیانی مذہب" سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح سے "کلماتِ فضل رحمٰن" کا حوالہ "قادیانی مذہب" کے توسّط سے نقل کیا گیا۔ صفحہ ۶۳ پر بھی "قادیانی مذہب" مصنفہ الیاس برنی سے حوالہ نقل کیا گیا۔ اس پیشگوئی کے بارے میں جو ایک انذاری پیشگوئی تھی اور ان تمام شرائط سے مشروط تھی جو نہ صرف پیشگوئی کے اندر موجود ہیں بلکہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق جو ہم نے قرآن کریم اور اقوال آئمہ سلف سے بیان کئے ہیں، ایک وعید کی پیشگوئی تھی۔ یعنی عدالت نے نہ تو ان اصولوں کو زیرِ نظر رکھا جو وعید کی پیشگوئیوں کے بارہ میں مسلّمہ ہیں اور نہ ہی حالات و واقعات کا پُوری طرح جائزہ لیا۔ اس بارے میں جماعت احمدیہ کا اپنا لٹریچر اور مخالف لٹریچر گذشتہ نوّے ۹۰ سال پر پھیلا ہوا ہے اور پیشگوئی کی جزئیات اور تفصیلات تک زیرِ بحث آچکی ہیں اور جماعت احمدیہ بارہا یہ ثابت کرچکی ہے کہ پیشگوئی اپنی تمام شرائط کے ساتھ اور اپنی تمام جزئیات کے ساتھ پُوری ہوچکی ہے۔ اس پیشگوئی کے جو حصّے رجوع سے

مشروط تھے وہ رجوع کی وجہ سے معلّق ہو گئے۔ اور باقی تفصیلات جس طرح بیان کی گئی تھیں، پُوری ہوئیں۔ مخالفانہ اعتراض تو موجود ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ خود مرزا احمد بیگ کے خاندان اور محمدی بیگم کے خاندان کے افراد پیشگوئی کے پورا ہونے کے قائل ہیں اور اس پیشگوئی کے بعد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ مرزا احمد بیگ کے خاندان میں سے بہت سے افراد اس پیشگوئی پر ایمان لا چکے ہیں جن میں سے چند خصوصیّت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ محمد اسحاق پسر مرزا سلطان محمد یعنی محمدی بیگم کا بیٹا، محمدی بیگم کی والدہ یعنی اہلیہ مرزا احمد بیگ، محمدی بیگم کی ہمشیرگان محمودہ بیگم وعنایت بیگم، محمدی بیگم کے بہنوئی مرزا احمد حسین، محمدی بیگم کے بھائی مرزا احمد بیگ، سبھی اس پیشگوئی کے پُورا ہونے پر ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ محمدی بیگم کے خاوند مرزا سلطان محمد تکذیب سے باز آ گئے اور توبہ اور رجوع کیا اور یوں وعید سے بچ گئے۔ محمدی بیگم کے خاوند کا انٹرویو ۱۹۲۱ء میں اخبار میں چھپا جس میں انہوں نے اقرار کیا کہ ''میرے خُسر مرزا احمد بیگ واقعہ میں پیشگوئی کے عین مطابق فوت ہوئے۔'' اور اس بات کا اقرار کیا کہ:-

> ''یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے شُبہہ کا باعث نہیں ہوئی'' اور یہ اقرار کیا ''میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان و اعتقاد مجھے مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا۔'' اور ان کے بیعت نہ کرنے کے بارے میں یُوں کہا ''اس کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔'' اور یہ کہا کہ ''میرے دل کی حالت کا آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا تا کہ میں مرزا صاحب پر نالش کر دوں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا مگر وہی ایمان و اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکے رکھا۔''

غرض وہ خاندان جس کے بارے میں پیشگوئی تھی اس خاندان نے اس پیشگوئی کو قبول کیا۔ وہ افراد جن کے متعلق یہ پیشگوئی تھی انہوں نے توبہ اور رجوع اختیار کیا اور اس پیشگوئی پر اعتراض نہ کیا۔ وہ خاوند جس کی بیوی کے بارے میں پیشگوئی تھی وہ اس پیشگوئی کی صداقت کا گواہ بنا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اگر مخالفین یہ کہیں کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو یہ فریقین کے درمیان زیادہ سے زیادہ متنازعہ امر ٹھہرے گا۔ ایک ایسی پیشگوئی کے بارے میں جس کی نصف درجن سے زائد شقیں تھیں اور جس کے بارے میں جماعت احمدیہ علی وجہ البصیرت اس ایمان پر قائم ہے کہ وہ پیشگوئی پُوری ہوئی۔ مرزا احمد بیگ کی موت سے اور مرزا سلطان محمد کے رجوع اور اس کی زندگی سے، محمدی بیگم کی اولاد کے احمدی ہونے سے۔ اس پیشگوئی کے بارے میں عدالت کی رائے زنی یک طرفہ، غیر منصفانہ، متعصّبانہ اور امورِ متعلقہ مقدمہ زیرِ نظر سے قطعاً لاتعلق اور غیر ضروری ہے جس کو حذف کیا جانا چاہیئے۔

مرزا احمد بیگ کے بارے میں پیشگوئی یہ تھی کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی بڑی لڑکی محمدی بیگم کا نکاح حضرت مرزا صاحب سے نہیں کریں گے اور کسی دوسری جگہ کر دیں گے تو دوسری جگہ نکاح کر دینے کے بعد تین سال کے اندر بلکہ بہت جلد ہلاک ہو جائیں گے۔ مرزا احمد بیگ نے محمدی بیگم کا نکاح جب مرزا سلطان محمد سے کر دیا تو نکاح کے پانچ ماہ چار دن کے بعد ۳۰ رستمبر ۱۸۹۲ء کو ہلاک ہو گیا اور اس کی وجہ سے پُورے خاندان پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور رجوع کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی شہادت خود محمدی بیگم کے خاوند نے دی۔ غرضیکہ اس پیشگوئی کے نتیجے میں:-

- مرزا احمد بیگ کی موت سے مرزا سلطان محمد نے عبرت حاصل کی۔
- مرزا سلطان محمد پر خوف و ہیبت طاری ہوئی۔ اس نے توبہ کی اور توبہ کے باعث موت سے بچ گیا۔ نیز ان کے سارے خاندان نے شوخی وشرارت اور استہزاء کو ترک کر دیا۔
- حضور اقدس کی خدمت میں عجز وانکسار اور توبہ کے خطوط لکھے اور پیغام بھجوائے۔
- حضور نے اس خاندان کی توبہ اور رجوع کا ذکر اپنی کتابوں میں کر دیا تھا مگر ان لوگوں میں سے کسی نے بھی اپنے عجز وانکسار کی تردید نہ کی۔
- حضور اقدس نے اپنی زندگی میں فیصلہ کا آسان طریق معاندین کے اعتراضات کے پیشِ نظر بیان فرمایا تھا کہ اگر سلطان محمد نے توبہ کا اظہار نہیں کیا تو اس سے تردیدی اشتہار شائع کروایا جائے اور پھر قدرت کا تماشہ دیکھو مگر اس کی طرف سے کوئی اشتہار شائع نہ ہوا۔

- مرزا سلطان محمد کے تصدیقی خط کا چربہ ''الفضل'' اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں شائع ہو چکا ہے جس میں اس نے حضرت مرزا صاحب کو نیک بزرگ اور اسلام کا خدمتگار شریف النفس تحریر کیا۔
- مرزا سلطان محمد کا اپنا بیان الفضل میں شائع ہو چکا ہے کہ آریوں اور عیسائیوں نے لاکھ لاکھ روپیہ کا لالچ دیا تا کہ حضور اقدس کے خلاف کوئی تحریر حاصل کریں مگر اس نے کوئی تحریر نہ دی۔
- مرزا سلطان محمد کے بیٹے مرزا محمد اسحاق بیگ نے الفضل میں اپنے احمدیت قبول کرنے اور پیشگوئی کے من وعن پورا ہونے کے متعلق مفصّل بیان شائع کروایا۔
- مرزا احمد بیگ کے خاندان کے اکثر افراد احمدیت میں داخل ہوئے اور ان افراد کا بکثرت احمدیت میں داخل ہونا اس پیشگوئی کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے۔
- جن کے بارہ میں یہ پیشگوئی براہِ راست تھی وہ تو اکثر احمدی ہو گئے اور حضرت اقدس کے روحانی عقد (عقدِ بیعت) میں آ گئے اور معترضین پیشگوئی کے اس حصہ کو پُورا کر رہے ہیں کہ وہ اسے تنقید و اعتراض کا ہدف بنائے ہوئے ہیں اور درحقیقت پیشگوئی کی صداقت کو اظہر من الشّمس ثابت کر رہے ہیں۔

تیسری انذاری پیشگوئی جس پر عدالت نے تبصرہ کیا ہے وہ مولوی ثناءاللہ امرتسری کے بارہ میں ہے۔

اس معاملہ کا بھی سائلان کی درخواست سے دور کا بھی تعلّق نہیں تھا۔ مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب کی وفات کے بارہ میں حضرت مرزا صاحب نے کوئی پیشگوئی کی تھی یا نہیں اور قرآن شریف کی شرائط کے مطابق مولوی ثناءاللہ صاحب نے مباہلہ قبول کیا یا نہیں اس کا معاملہ زیرِ بحث سے کوئی تعلّق نہیں۔ اس بارہ میں بھی مرزا صاحب کی پیشگوئی سچی یا جھوٹی ہونے سے آرڈیننس کا جواز یا عدم جواز متاثر نہیں ہوتا۔ اگر مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی ہی نکلی تو کیا محض اس وجہ سے آرڈیننس قرآن وسنّت کے مطابق ٹھہرے گا؟ اور سائلان کی درخواست قابل اخراج قرار پائے گی یا اس کے برعکس صورت میں محض حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے سچا نکلنے سے آرڈیننس قرآن وسنت کے خلاف قرار پائے گا اور درخواست قبول کر لی جائے گی۔ اگر نہیں تو پھر اس بحث کو فیصلہ میں داخل کرنا بھی ناروا اور نامناسب تھا۔

علاوہ ازیں یہ معاملہ بھی یکطرفہ طور پر فیصلہ میں زیرِ بحث لایا گیا۔ حالانکہ عدالت میں دورانِ بحث کسی فریق کی طرف سے نہ یہ معاملہ اُٹھایا گیا اور نہ اس پر بحث ہوئی۔ یہ امر کہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری کی وفات کے بارے میں پیشگوئی کی گئی یا نہیں کی گئی، قرآن کریم کی شرائط کے مطابق مولوی ثناءاللہ نے مباہلہ قبول کیا یا نہیں۔ اس کے نتائج کیا تھے۔ یہ تفصیل چاہتا تھا اور اس پر سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی بحثیں موجود ہیں جن کی حقیقت اور ماحصل یہ ہے کہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے مباہلہ سے گریز کیا اور اسے قبول ہی نہیں کیا۔ اور مرزا صاحب کی دُعائے مباہلہ کے جواب میں انہوں نے خود یہ لکھا کہ:-

''یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔'' (اہلحدیث ۲۶/اپریل ۱۹۰۷ء)

اور ایک دوسرے موقعہ پر لکھا:-

''چونکہ یہ خاکسار نہ واقعہ میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول، ابن اللہ یا الہامی ہے اس لیے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا''۔
(الہامات مرزا صفحہ ۸۵ طبع دوم)

اور ایک موقعہ پر لکھا:-

''میں نے آپ کو مباہلہ کے لیے نہیں بلایا .... میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں .... میں نے حلف اُٹھانا کہا ہے مباہلہ نہیں کہا .... قسم اور ہے مباہلہ اور۔'' (اہلحدیث ۱۹/اپریل ۱۹۰۷ء)

دراصل مباہلہ قرآن کریم کا قائم کردہ ایک معیار ہے اور یہ بات اہلِ علم پر روشن ہے کہ مباہلہ کا لفظ باب مفاعلہ سے ہے جو مقابلہ کو چاہتا ہے اور مباہلہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب فریقین مقابل پر جمع ہو کر قسمیں کھائیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کی آیت مباہلہ سے واضح ہے۔

”تَعَالَوْاْ نَدْعُ أَبْنَآءَ نَا وَأَبْنَآءَ كُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَأَنفُسَنَا وَ أَنفُسَكُمْ . ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَـٰذِبِينَ ﴿﴾ (العمران : ٦٢)

یعنی تو کہہ دے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفوس کو اور تم اپنے نفوس کو۔ پھر گڑ گڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔“

مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ کو قبول کرنا یا نہ کرنا پہلا سوال تھا جسے حل کیا جانا ضروری تھا مگر عدالت نے ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور یہ کہہ کر طعنہ زنی کی کہ "اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقے اختیار کیے ان میں مخالفین کی موت کی پیشگوئی کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی مخالف مرتا کہ اسے ایک نہ ایک دن تو مرنا ہی تھا، تو یہ مرزا صاحب کی مزعومہ سچائی کا ثبوت تصور کیا جاتا۔" گویا موت سے متعلق پیشگوئیاں یا نشانات عدالت کے نزدیک بے حقیقت چیز ہیں۔ عدالت کا یہ اندازِ فکر بھی قرآنی علوم سے عدم واقفیت اور قلتِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ مباہلہ کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کو جو چیلنج دیا وہ قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہے۔
”تَعَالَوْاْ نَدْعُ أَبْنَآءَ نَا وَأَبْنَآءَ كُمْ۔“ (آل عمران:٦٢)

اسی طرح سے سورۃ جمعہ میں موت کی خواہش خدا تعالیٰ نے حق و باطل کا معیار ٹھہرایا۔ جیسا کہ فرمایا ہے ”فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (الجمعہ:٧)“ اور ساتھ ہی کلام الٰہی نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ جھوٹے کبھی موت کی تمنا نہیں کرتے۔ جیسا کہ فرمایا ”وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَاقَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔(الجمعہ:٨)۔ چنانچہ یہ کہنا کہ موت کی پیشگوئی گویا کوئی بے حقیقت شئے تھی، عدالت کے اپنے عدمِ علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور بہتر ہوتا کہ عدالت ایسے نازک امور میں یکطرفہ طور پر دخل اندازی نہ کرتی جس کا اسے علم ہی نہ تھا۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔

حضرت مرزا صاحب اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:۔

اے قدیر و خالقِ ارض و سما — اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ مے داری تو بر دلہا نظر — اے کہ از تو نیست چیزے مُستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر — گر تُو دید استی کہ ہستم بد گُہر
پارہ پارہ کُن مِن بد کار را — شاد کُن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر دَر و دیوارِ مِن — دُشمنم باش و تباہ کُن کارِ من

یعنی "اے میرے خدا! تو خالق ارض و سما ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے تو رحیم و مہربان اور رہنما ہے۔ تیری تو دلوں پر نظر رہتی ہے۔ تجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اگر تو مجھے نافرمانی اور شرارت سے بھرا ہوا دیکھتا ہے، اگر تو جانتا ہے کہ میں بُرا آدمی ہوں تو اے خدا مجھ ایسے بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور میرے زمرۂ اغیار کو شادمان کر۔ میرے در و دیوار پر آگ برسا۔ خود میرا دشمن ہو جا اور میرے سارے کام کو تباہ کر دے۔"

کہاں تو یہ عالم کہ خدا کے علم اور اس کی قدرت کو ذہن میں متحضر کر کے اپنے لیے اس انداز سے موت طلب کرنے کا حوصلہ مرزا صاحب میں تھا اور کہاں یہ عالم کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب مباہلے کے سوال پر ایک مستقل آنکھ مچولی کھیلتے رہے اور مقابلہ پر نہیں آئے، کبھی لکھا ”یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے“۔

القصّہ مختصر اگر اعتراض دعوت مباہلہ پر ہے تو وہ تو مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نے کبھی قبول ہی نہیں کی اور وہ خود سمجھتے تھے کہ وہ نہ ملہم ہیں نہ مامور اور مباہلہ کی جرأت نہ کی۔ مگر جہاں قرآن کریم کا قائم کردہ معیار مباہلہ اور حضرت مرزا صاحب کی دعوتِ مباہلہ مولوی ثناء اللہ کو منظور نہ تھی کیونکہ بقول ان کے کوئی دانا اس کو منظور نہ کر سکتا تھا۔ مگر مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے زبان اور قلم اور قول و فعل سے خود کو ایک معیار کا پابند کر لیا اور گویا خدا سے اس معیار کے مطابق فیصلہ چاہا۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اپنے اخبار

اہلحدیث میں لکھا ہے کہ :-

"خدا تعالیٰ جُھوٹے دغاباز مفتری اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کریں۔ پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتلاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب نے جھوٹے کی لمبی عمر کو معیار قرار دیا اور یہ لکھا کہ "یہ سرے سے حق و باطل کا معیار ہی نہیں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو" اور خدا تعالیٰ نے ان کے منہ مانگے معیار کے مطابق ان سے سلوک کیا۔ بات مولوی ثناء اللہ صاحب کی غلط نہ تھی۔ مباہلہ واقعی کچھ اور چیز ہے اور مباہلہ کے نتیجہ میں جھوٹا ضرور سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے منہ سے اپنی موت کو بطور نشان طلب کرتا ہے۔ مگر خود قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جھوٹے ایسی موت کی تمنا نہیں کرتے وَلَا یَتَمَنَّوْنَہٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِم جو معیار مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے لیے خود ٹھہرایا خدا نے اسی کے مطابق ان کو ڈھیل دی اور لمبی عمر دی اور ان کو اپنے اس قول کے مطابق "مہلت" دی کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی جی بھر کے مخالفت کر لیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کے بعد جماعت احمدیہ کی ایک خلافت بھی دیکھیں، دوسری خلافت بھی دیکھیں اور حضرت مرزا صاحب کے سلسلہ کو پھلتا پھولتا بھی دیکھیں۔

ہم نے اختصار کے ساتھ عرض کر دیا ہے کہ یہ پیشگوئی بھی تفصیلی مطالعہ کی متقاضی تھی اور عدالت نے اس کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کئے بغیر قرآنی اصولوں کے خلاف بے دھڑک یہ بات کہہ دی کہ موت کی پیشگوئیاں کرنا بھی گویا ایک کھیل تماشہ ہے۔

غرضیکہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا قصہ بھی ان امور میں سے ہے جو عدالت نے اپنے تعصب کے اظہار کر لئے اور جماعت احمدیہ کے معاندانہ لٹریچر سے یکطرفہ طور پر متاثر ہو کر جماعت احمدیہ کے خلاف دلآزاری کے لئے اپنے فیصلہ میں شامل کیا جو حذف کیے جانے کے لائق ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۵۷ پر حضرت مرزا صاحب کی ایک اور پیشگوئی کے بارہ میں اپنے تعصب کے اظہار میں انتہاء کر دی ہے۔ عدالت نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ مرزا صاحب نے ایک بیٹے کی پیشگوئی کی تھی۔ پھر ایک بیٹی اور ایک بیٹے کی پیدائش اور ان کی کم عمری میں وفات کے ذکر پر بات کو یوں نامکمل چھوڑ دیا گویا یہ باب ختم ہو گیا۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ جس عدالت نے پیشگوئی کے پُورا نہ ہونے کی مزعومہ دو مثالیں سلسلے کی تاریخ اور لٹریچر سے تلاش کر کے نکالیں اسے یہ معلوم نہ ہوگا کہ مرزا صاحب کے موعود بیٹے کے بارے میں جماعت احمدیہ کا مسلک اور مؤقف کیا ہے۔

بات کو یوں ادھورا چھوڑا گیا گویا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا اور بیٹے کے تولد کی پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے بعد اور بشیر اوّل کی وفات کے بعد مرزا صاحب کے تین بیٹے مزید پیدا ہوئے جنہوں نے بفضلِ خدا لمبی عمر پائی اور ایک بیٹا ان میں سے وہ موعود بیٹا تھا جس کی خاص بشارت خدا کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس بیٹے کے بارے میں اشتہار ۲۲؍مارچ ۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب نے لکھا:-

"ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو سال کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے۔ بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا"

عدالت نے ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار کا ذکر بھی کیا اور ۸؍اپریل کے اشتہار کا بھی اور ۲۲؍مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار کا تذکرہ بھی کیا مگر اس بات کو نظرانداز کر دیا کہ صاحبِ الہام نے خدا کے الہام کے مطابق اس بیٹے کی پیدائش کی معیاد نو سال متعین کر دی تھی اور مرزا بشیر الدین محمود احمد اس عرصہ میں ۱۲؍جنوری ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۷۷ سال عمر پائی۔ ۵۲ سال کے طویل عرصہ تک خلافت احمدیہ کے منصب پر متمکن رہے۔ اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کے مدعی تھے اور جماعتِ احمدیہ انہی کو اس پیشگوئی کے مطابق موعود بیٹا اور مصلح موعود تصور کرتی ہے۔

جو بات عدالت کے طرزِ عمل کو مزید محلِ نظر اور قابلِ اعتراض ٹھہراتی ہے وہ یہ ہے کہ عدالت اس امر کو مکمل طور پر حذف کر گئی کہ ۱۸۸۹ء میں نو سال کے عرصہ کے اندر پیشگوئی کے مطابق ایک بیٹا ہوا۔ عدالت کا یہ طرزِ عمل، واقعات کے بیان کا یہ سرسری انداز اور ان سے توڑ موڑ کر نتائج اخذ کر کے پیش کر دینا اور انہیں ایک عدالتی فیصلہ کا حصہ بنا دینا کسی طرح بھی مناسب اور جائز نہیں تھا۔ بالخصوص ایسے امور میں جو پیشگوئیوں سے متعلق ہوں جو ایک فریق کے اعتقاد اور ایمان اور نازک مذہبی جذبات سے تعلق رکھتے ہوں اور جن پر مستزاد یہ کہ اُن کے بارے میں کوئی بحث نہ ہوئی اور جو معاملہ زیرِ نظر کے فیصلے کے لئے ضروری نہ ہوں، لاتعلق اُمور فیصلے میں داخل کرنے کی بدترین مثال ہے۔ لہٰذا عدالت کے صفحات نمبر ۵۷ کے دوسرے پیراگراف سے لیکر صفحہ ۵۹ کے دوسرے پیراگراف تک حذف کئے جانے کے لائق ہیں۔ چونکہ یہ غیر متعلق، غیر ضروری، دلآزار، خلاف

واقعہ اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔

موعود بیٹے کی پیدائش کی بشارت جماعت احمدیہ کی تاریخ کا زرّیں باب ہے اور وہ پیشگوئی ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس شان سے پُوری ہوئی کہ دوستوں اور دشمنوں نے اس بیٹے کے علم و عظمت کا اقرار کیا جو تاریخ کے صفحات پر ایک انمٹ نقش کے طور پر محفوظ ہے۔ پیشگوئی کس شان سے پوری ہوئی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے:-

''تا دینِ اسلام کا شرف اور مرتبہ ظاہر ہو''۔ ''وہ علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائیگا''۔ ''وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی''۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایسا وجود نہیں تھے جن کے بارے میں عدالت کو علم نہ ہو یا جن کا مقام، مرتبہ اور علم و دانش کسی پڑھے لکھے انسان سے مخفی ہو۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے جب وفات پائی تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنے رسالہ ''صدق جدید'' میں لکھا :-

"قرآن و علومِ قرآن کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمری میں جاری رکھیں ان کا اللہ انہیں صلہ عطا فرمائے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح تبیین و ترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔'' (صدق جدید لکھنؤ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۵ء)

مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار زمیندار باوجودیکہ جماعت احمدیہ کے معاند تھے لیکن انہیں بھی اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کو خدا نے خاص علم قرآن عطا کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک تقریر میں کہا!

''احراریو! کان کھول کی سن لو! تم اور تمہارے لگے بندھے میرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ میرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا دھرا ہے...... تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا...... میرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارے پر اس کے پاؤں پر نچھاور کرنے کو تیار ہے...... میرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں۔ مختلف علوم کے ماہر ہیں۔ دُنیا کے ہر ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے۔'' (ایک خوفناک سازش صفحہ ۱۹۶ مؤلفہ مولانا ظفر علی خان)

ایک موقع پر جب اسلامیہ کالج لاہور کے ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے "اسلام میں اختلافات کا آغاز" کے عنوان سے لیکچر دیا تو سیّد عبدالقادر صاحب نے صدارتی خطاب میں فرمایا :-

''آج شام جب میں اس ہال میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے اور اس پر میں اچھی طرح رائے زنی کر سکتا ہوں۔ لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفلِ مکتب ہوں۔''
(الفضل ۸ر مارچ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵)

اور جب یہ لیکچر ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوا تو سر عبدالقادر نے لکھا :-

''فاضل باپ کے فاضل بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نام نامی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ تقریر نہایت عالمانہ ہے۔ مجھے بھی اسلامی تاریخ سے کچھ شُد بُد ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مؤرّخ ہیں جو حضرت عثمانؓ کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں اور اس مہلک اور پہلی خانہ جنگی کے فتنہ کی اصلی وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ انہوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرائے میں اُن واقعات کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے ایوانِ خلافت مدّت تک تزلزل میں رہا۔ میرا خیال ہے کہ ایسا مدلّل مضمون اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گذرا ہوگا۔''
(پیش لفظ اسلام میں اختلافات کا آغاز)

اور جماعت احمدیہ کے ایک معاند، مفکرِ احرار چوہدری افضل حق نے اپنے اخبار "مجاہد" میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے بارے میں اقرار کیا کہ :-

''جو عظیم الشان دماغ اس کی پشت پر ہے وہ بڑی سے بڑی سلطنت کو پل بھر میں درہم برہم کرنے کے لئے کافی تھا۔''

حضرت مرزا بشیر الدین صاحب کی تفسیر کبیر کے شیدائی جماعت احمدیہ سے باہر بھی لاتعداد ہیں جو علوم قرآن کی خاطر تمام تر تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر تفسیر کبیر کے مطالعہ کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ "کشمیر کمیٹی" کے صدر کے طور پر آپ کی خدمات، تحریک شُدھی کے دوران آپ کی تڑپ اور جماعت احمدیہ کی خدمات، آپ کے علمِ قرآن کے بارہ میں مولانا ظفر علی خان کا اقرار، دنیا کے گوشے گوشے تک آپ کے دورِ خلافت میں جماعت احمدیہ کا قیام، ایک بے خانماں، بدحال اور آشفتہ حال اُجڑی ہوئی جماعت کا تقسیم مُلک کے بعد ربوہ کی بے آب و گیاہ بنجر زمین میں مرکز کا قیام اُس اولوالعزم کے عزم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جب ساری قوم ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی الاٹمنٹوں کے چکر میں سرگرداں تھی ،اس وقت اس صاحب عزم نے چند خیموں کے ساتھ جس مرکز کا آغاز کیا اور اس مرکز سے جس فعال جماعت کو جس شان کے ساتھ سرگرم عمل کر دیا اس کی وجہ سے آج ربوہ معاندین احمدیت کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے اور اس بات کو چھپانے میں کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب یقیناً حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک ایسے بیٹے تھے جو ''بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔'' لہٰذا بہت سی خوبیوں والے بچے کی پیدائش کی پیشگوئی تو یقیناً پُوری ہوئی۔ باقی اس بیٹے کی پیدائش کے وقت کا تعین ایک ایسا معاملہ تھا جس کو اگر عدالت سمجھنا چاہتی اور محض تعصب کی بناء پر اور دلآزاری کے شوق میں مخالفانہ لٹریچر سے عمداً متاثر ہو کر غیر ضروری طور پر طعنہ زنی کرنا نہ چاہتی تو یہ اُمور بھی ایسے نہیں تھے جو عدالت کی سمجھ میں نہ آسکتے۔ نو سال کے عرصہ کا ذکر خود عدالت کے فیصلے میں موجود ہے اور عدالت کے فیصلے ہی سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ اشتہار ۱۸۸۶ء میں دیا گیا اور یہ بات بھی تاریخ میں ایسی مستحکم ہے کہ جس کا انکار ممکن نہیں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی پیدائش ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔

رہا یہ امر کہ بعض دوسری ولادتوں کو موعود بیٹے کی ولادت سمجھا گیا یا بعض لوگ اس پیشگوئی کے فوری طور پر پورا نہ ہونے پر بددل ہوگئے تو یہ سوائے طعنہ زنی کے اور کچھ نہیں اور عدالت نے دلائل کے بجائے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بعض لوگ برگشتہ ہو بھی جائیں یا ہوگئے تو کیا آرڈی نینس قرآن وسنت کے مطابق ہوجائے گا؟ برگشتگی تو سلسلۂ انبیاء کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ابتلاء میں پڑ کر بعض لوگ تو علیحدہ ہو ہی جاتے ہیں اور قرآن کریم میں بھی ارتداد کا مفصّل ذکر موجود ہے۔ متلوّن مزاج یا سطحی نظر سے معاملات کو دیکھنے والے لوگوں کا پیشگوئیوں جیسے نازک امور میں ٹھوکر کھا جانا یا برگشتہ ہو جانا بعید از قیاس نہیں اور انبیاء کی تاریخ میں جگہ جگہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی برگشتگی کا تو کیا ذکر بعض دفعہ ''راسخون فی العلم'' بھی وقتی طور پر ابتلاء کا شکار دکھائی دیتے ہیں مگر بالآخر ان کا پختہ ایمان اور راسخ عقیدہ انہیں ابتلا سے نکال باہر لے آتا ہے۔

ہم قرآن حکیم اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشگوئیوں کے بارے میں اصولی بحث کے دوران بھی یہ واضح کر چکے ہیں کہ تاریخ مذاہب میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب انبیاء کرام اور مامورین من اللہ خود اپنے الہام کا منشاء و مفہوم اور مصداق صحیح طور پر متعین نہ کر سکے۔

حضرت یونسؑ عذاب الٰہی کی وعید میں مضمر توبہ کی شرط کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عذاب کو ناگزیر جان کر نینوا سے نکل کھڑے ہوئے مگر عذاب بعد میں ٹل گیا۔

انبیاء علیہم السلام کے تو رویاء بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔ حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کو کیسا ابتلاء پیش آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک صاف رویاء کی بناء پر جس میں آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ المسجد الحرام میں داخل ہو کر امن کے ساتھ طواف کرتے دیکھا تھا عمرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ خود آنحضورؐ اور ۱۴۰۰ کے قریب صحابہ سب کے سب اس رویاء کی یہی تعبیر سمجھتے تھے مگر تقدیر الٰہی کسی اور رنگ میں ظاہر ہوئی اور اس سال عمرہ نہ ہوسکا تو صحابہ کو ایسا جھٹکا لگا کہ حضور کے ارشاد کے باوجود انہوں نے اپنی قربانیاں ذبح کرنے میں تامّل کیا اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی زبان پر یہ سوال آگیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا یہ خدا کا وعدہ کہ ہم طواف کریں گے سچا نہیں تھا؟ اور حضور کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ خدا کے وعدے تو سچے ہیں مگر اس رویاء میں اِسی سال کی تعیین تو نہیں تھی۔

بات کتنی واضح اور صاف ہے۔ رسول اللہ اور آپ کے صحابہ ارشاد الٰہی کی ایک دوسری تعبیر سمجھ کر تشریف لے جاتے ہیں مگر تقدیرِ الٰہی کسی اور رنگ میں ظاہر ہوتی ہے پس اگر حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں بھی بعض لوگوں نے کسی دوسرے بچے کی ولادت کو موعود بیٹے کی ولادت سمجھا تو ایسے طعن کی کونسی بات تھی کیونکہ موعود بیٹے کی ولادت خود الہام کے الفاظ کے مطابق نو سال کے اندر ہونے کی بشارت تھی اور وہ بشارت کے مطابق نو سال کے عرصہ میں پیدا بھی ہوگیا۔

جو بات عدالت کے طرزِ عمل کو مزید محلِ نظر اور قابلِ اعتراض ٹھہراتی ہے وہ یہ ہے کہ عدالت اس امر کو مکمل طور پر حذف کر گئی کہ ۱۸۸۹ء میں نو سال کے عرصہ کے اندر ایک بیٹا پیدا ہوا۔ عدالت کا یہ طرزِ عمل، واقعات کے بیان کے اس سرسری انداز اور ان سے توڑ موڑ کر نتائج اخذ کر کے پیش کر دینا اور انہیں ایک عدالتی فیصلہ کا حصہ بنا دینا کسی طرح بھی مناسب اور جائز نہیں تھا۔ بالخصوص ایسے امور میں جو پیشگوئیوں سے متعلق ہوں جو کسی ایک فریق کے اعتقاد اور ایمان اور نازک مذہبی جذبات سے تعلق رکھتے ہوں اور جن پر مستزاد یہ کہ اُن کے بارے میں کوئی بحث نہ ہوئی ہو اور جو معاملہ زیرِ نظر کے فیصلے کے لئے ضروری بھی نہ ہوں، لاتعلق امور فیصلے میں داخل کرنے کی بدترین مثال ہے۔ لہٰذا عدالت کے فیصلے کے صفحات نمبر ۵۷ کے دوسرے پیراگراف سے لیکر صفحہ ۵۹ کے دوسرے پیراگراف تک حذف کیے جانے کے لائق ہیں۔ چونکہ یہ غیر متعلق، غیر ضروری، دلآزار، خلاف واقعہ اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔

پیشگوئیوں کے ضمن میں عدالت نے حضرت مرزا صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ جلد پنجم میں سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ :-

''مقدّر یوں ہے کہ وہ لوگ جو اس جماعت سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہوتے جائیں گے اور تمام فرقے مسلمانوں کے جو اس سلسلہ سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہو کر اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے یا نابود ہو جائیں گے۔''

اور اس کے بعد عدالت نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ:-

"اس پیشگوئی کا بُطلان اس قدر عیاں اور ظاہر ہے کہ اس بارہ میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔''

بزعمِ خود اس عیاں اور ظاہر بُطلان کے اظہار کے لئے عدالت نے ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق احمدیوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار بتائی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں کئی گُنا اضافہ ہو چکا ہے۔ جس بات پر عدالت نے توجہ نہیں کی وہ یہ ہے کہ جو مسلمانوں میں کئی گنا اضافہ بیان کیا جارہا ہے وہ کون سے فرقے مسلمانوں میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں سے مسلمان ہوئے یا ہندوؤں سے یا محض آبادی کے اضافہ سے۔ اور احمدیوں کی جو تعداد بیان کی گئی ہے اور جس مردم شماری کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس کا پایۂ استناد کیا ہے؟ یہ تصوّر کرنا ناممکن ہے کہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری اور اس میں احمدیوں کی تعداد کے بارہ میں عدالت کو کوئی خوش فہمی ہو یا غلط فہمی ہو۔ دُنیا جانتی ہے کہ ۱۹۷۴ء کی ترمیم کے بعد احمدیوں نے اپنے آپ کو غیر مسلموں کے زمرہ میں شمار کروانا اپنے ایمان کی توہین سمجھا اور اپنے تمام حقوق پر پڑنے والی ہر ممکنہ زد کو نظر انداز کرتے ہوئے اور مادّی منفعتوں کی پَر کاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو مردم شماری میں غیر مسلموں کے زمرہ میں شامل نہیں کروایا اور خود کو مسلمان ہی کہتے رہے تا آنکہ ضیاء الحق صاحب کا زیرِ نظر آرڈی ننس نافذ ہوا جس کی وجہ عدالت کے فیصلے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ احمدی خود کو مسلمان کہلانے سے باز نہیں آتے۔ گویا ۱۹۸۱ء کی مردم شماری میں احمدیوں نے خود کو مسلمان ظاہر کیا اور ایک لاکھ تین ہزار وہ اشخاص ہیں جو کسی ابہام یا اُلجھن کی وجہ سے احمدی شمار کئے گئے۔ اور وہ احمدیوں کی تعداد کا ایک نہایت نا قابل ذکر قلیل حصہ ہی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی تعداد دو یا تین فیصد سمجھی جائے تو احمدیوں کی مجموعی تعداد چالیس پچاس لاکھ بنتی ہے۔ یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے کہ عدالت ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے بارہ میں اِن واضح حقائق سے ناواقف تھی۔ اگر یہ واقعات واقعی عدالت کے علم میں نہیں تھے تو عدالت کی کم علمی قابلِ افسوس ہے۔

جس پیشگوئی کے "بُطلان" پر عدالت طعنہ زنی کر رہی ہے اس میں مضمون یہ تھا کہ ''دوسرے فرقوں کے مسلمان اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے۔'' کیا عدالت واقعی سمجھ رہی تھی کہ دوسرے فرقوں کے مسلمان سلسلہ احمدیہ میں مسلسل داخل نہیں ہو رہے؟ کیا حکومتِ پاکستان اور پاکستان کے علماء اس بات پر مطمئن ہیں کہ واقعی اس پیشگوئی کا بطلان عیاں ہے اور دوسرے فرقوں کے مسلمان سلسلہ احمدیہ میں داخل نہیں ہو رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تبلیغ کی پابندی پر اس قدر اصرار کے کیا معنی؟ تعصّب ہمیشہ اندھا کر دیا کرتا ہے۔ عدالت نے مذہب اور اخلاقیات کے انسائیکلوپیڈیا ۱۹۳۱ء کی مردم شماری اور یونٹی (UNITY) کلکتہ کے ایک مضمون کا بھی جماعت احمدیہ کی تعداد متعین کرنے کے سلسلے میں ذکر کیا ہے اور اس خیال کا ذکر کیا ہے کہ احمدی ہمیشہ اپنی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ دراصل کسی بھی طبقہ کی تعداد موجودہ دور میں متعین کرنا ایک مشکل اَمر ہے۔ خود مردم شماری کے ماہرین اس عمل کی مشکلات سے آگاہ ہیں اور وہ اپنے اعداد و شمار کو ہمیشہ ہی مشروط قرار دیتے ہیں۔ مگر بعض نمایاں عناصر ہمیشہ تعداد متعین کرنے میں ممدّ و معاون بھی ہوتے ہیں۔ نسلی، لسانی اور ثقافتی یا جغرافیائی بنیادوں پر مردم شماری نسبتاً آسان ہوتی ہے مگر جہاں اعتقادات کی بنیاد پر مردم شماری مقصود ہو وہاں بہت سی مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ بالخصوص ایسے معاشروں میں جہاں ہر قسم کے اعتقادات کے لوگ یکجا طور پر آباد ہوں۔ احمدیوں کی کوئی معین مردم شماری آج تک نہیں ہوئی۔ مگر پاکستان میں احمدیوں کی تعداد کے بارہ میں مختلف بنیادوں پر جو اندازے لگائے گئے ہیں ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکانومسٹ لندن کی بیان کردہ ایک کروڑ کی تعداد یقیناً ایک محتاط اندازہ ہے۔

پاکستان کے قومی اخبارات کی رپورٹنگ کے مطابق ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء کے جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ میں حاضرین کی تعداد اڑھائی لاکھ سے ساڑھے تین لاکھ تک

بیان کی گئی ہے (۱۹۸۲ء میں روزنامہ جنگ ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۲ء کے مطابق تین لاکھ، روزنامہ امروز ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء کے مطابق اڑھائی لاکھ اور ۱۹۸۳ء میں روزنامہ مشرق ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۳ء کے مطابق ساڑھے تین لاکھ افراد جلسہ سالانہ میں شریک تھے) اور اس تعداد میں بیرونِ ملک سے آنے والے احمدیوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں۔ اور اندرونِ پاکستان سے بھی ہر احمدی جلسہ میں شریک نہیں ہوتا۔ نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ جلسہ سالانہ ایک نمائندہ اجتماع ہی ہوتا ہے۔ یہ تو صرف ایک انڈیکس ہے۔ ایک دوسرا انڈیکس ووٹروں کی تعداد بھی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جماعت احمدیہ کے بعض مخالف اخبارات کے اندازہ کے مطابق پاکستان میں چالیس ۴۰ر لاکھ ووٹر تھا۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ ووٹروں کی تعداد کل تعداد کا کبھی بھی ۳۰ فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پاکستان کی نو ۹ ر کروڑ آبادی میں ووٹروں کی تعداد کل تین کروڑ بیان کی جاتی ہے اور اس اعتبار سے مخالفانہ اندازوں کے مطابق احمدیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ٹھہرتی ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ مخالفانہ مبالغہ آرائی ہے جو جماعت کے فعال ہونے کی وجہ سے اس کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر کی گئی ہے۔ ایک اور اندازے کے مطابق ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ۲۲ر لاکھ سے زائد احمدی رضا کار بیان کیے گئے ہیں۔ (ہفت روزہ چٹان ۲۲ر فروری ۱۹۷۱ء صفحہ ۹) اس سے جماعت احمدیہ کی کل تعداد کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

بہر حال یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ جس جماعت کے رضا کاروں کی تعداد ۱۹۷۰ء میں ۲۲ر لاکھ تھی اس پوری جماعت کی تعداد ۱۹۸۳ء میں گھٹ کر ایک لاکھ تین ہزار کیسے رہ گئی اور اگر کسی شعبدہ سے واقعی تعداد اتنی ہی رہ گئی تھی تو اس کا مقدمہ کے فیصلہ سے کیا تعلق تھا، کیا شرعی عدالتوں کے فیصلے اکثریت یا اقلیت کی بنیادوں پر ہوں گے۔ کیا کوئی قانون محض اس لیے قرآن وسنت کے مطابق ٹھہرے گا کہ اس کی زد محض ایک لاکھ تین ہزار افراد پر پڑتی ہے۔ کیا کوئی غیر اسلامی قانون محض اس لیے قرآن وسنت کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کے خلاف اُٹھنے والی آوازوں کی تعداد کم ہے۔ اگر نہیں تو آخر ہندسوں کے اُلٹ پھیر سے سائلان کی درخواست کا کیا تعلق؟

غرضیکہ مختلف جہات سے دیکھا جائے تو محتاط اندازہ کے مطابق بھی احمدیوں کی تعداد صرف پاکستان میں چالیس لاکھ کے لگ بھگ یقینی معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر کل تعداد ایک لاکھ تین ہزار بیان کرنا سادہ لوحی کی انتہاء ہے۔ یہ تو اندرون پاکستان احمدیوں کی تعداد کا ذکر ہے ورنہ افریقہ کے بعض ممالک میں احمدیوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی ہے اور جماعت احمدیہ اس وقت ان ممالک میں ۸۶ پرائمری سکول، ۳۴ سیکنڈری سکول، ۵۱ دینی مدارس، ۲ کالج، ۲۳ ہسپتال چلا رہی ہے۔ بیرونی ممالک میں جماعت احمدیہ کی تعمیر کردہ مساجد کی تعداد ۱۹۰ ہے۔ دس زبانوں میں جماعت کے تراجمِ قرآنِ کریم مختلف ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت احمدیہ دُنیا کے پچاس سے زائد ممالک میں قائم ہے۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

فاضل عدالت تو جماعت کی ''ترقی کے بارہ میں پیشگوئی کے بطلان'' کو ظاہر بیان کرتی ہے اور فاضل وکیل سرکار عدالت میں پانچ روز تک ایک "جارح اقلیت" کی طرف سے اکثریت کو درپیش خطرے کا ذکر کرتے رہے۔ اگر دوسرے فرقوں سے لوگ خاصی تعداد میں سلسلہ احمدیہ میں داخل نہیں ہو رہے تو یہ خطرہ کیا تھا؟ اور یہ خوف کیسا تھا؟

بہر حال یہ بات بھی زیر بحث سوال کے فیصلہ کے لئے غیر متعلق تھی۔ احمدیوں کی تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ، ترقی پذیر ہو یا انحطاط پذیر، اس بارہ میں پیشگوئی سچی ہو یا نہ ہو۔ ان امور کا آرڈیننس کے خلافِ قرآن وسنت ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا اور فیصلہ میں ان امور کا ذکر عدالت کے تعصب کی غمازی کرتا ہے اور یہ حصہ بھی حذف کئے جانے کے لائق ہے۔

۶

عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۱۱۱ اور اس کے بعد کے صفحات میں یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی تحریرات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ناروا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہر چند کہ یہ بات ضمناً عدالت کے روبرو زیر بحث آئی تھی اور سائلان کی جانب سے اس کا شافی جواب بھی دے دیا گیا تھا جس کا ٹیپ ریکارڈ عدالت کے پاس موجود ہے۔ عدالت نے سائلان کے پیش کردہ جواب کو قطعاً نظر انداز کر کے یکطرفہ طور پر اعتراض کو تو دوہرا دیا اور سائلان کے جواب کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے اور جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے اور جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے ان کے بارے میں کسی قسم کے نازیبا الفاظ کے استعمال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ الزام سراسر غلط ہے، خصوصاً مرزا صاحب جو مثیلِ مسیح ہونے کے مدّعی تھے ان کے بارے میں یہ الزام یوں بھی خلاف عقل ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

''جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰؑ سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں اگر

نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کو بُرا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا۔‘‘

(اشتہار ۲۷؍دسمبر ۱۸۹۷ء حاشیہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۰)

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے بار بار اس الزام کی تردید کی اور فرمایا :-

’’ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شانِ بزرگی کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکا کھانے والا اور جھوٹا ہے۔‘‘ (ایام الصلح صفحہ ۲)

نیز فرماتے ہیں :-

’’حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا، یہ سب مخالفوں کا افتراء ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گذرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جُھوٹا قرار دیا ہو اور حضرت موسیٰؑ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لئے میں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں راستباز نہیں ٹھہر سکتا لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدّق ہے، اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔

(’’تریاق القلوب‘‘ حاشیہ صفحہ ۷۷)

غرضیکہ جو مبیّنہ سخت الفاظ حضرت مسیح کے بارے میں بیان کیے جاتے ہیں وہ دراصل اُسی فرضی مسیح کے بارے میں ہیں جس کو عیسائی بطور خدا کے پیش کرتے تھے۔ اس مسیح کا جو نقشہ بائبل سے اُبھرتا تھا وہ گویا عیسائیوں کو بطور آئینہ کے دکھایا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

’’بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں پادریوں کے یسُوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی، انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں......اور مسلمانوں پر واضح ہے کہ خدا تعالیٰ نے یسُوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسُوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰؑ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود کا انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جُھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبّر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلامانس آدمی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہیئے کہ بدزبانی اور گالیوں کا طریق چھوڑ دیں ورنہ نامعلوم خُدا کی غیرت کیا کیا اِن کو دکھلائے گی۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸،۹)

اس فرضی مسیح کے بارے میں خود مولانا مودودی لکھتے ہیں :-

’’حقیقت یہ ہے کہ لوگ (یعنی عیسائی) اس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالمِ واقع میں ظاہر ہوا تھا بلکہ اُنہوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اسے خدا بنالیا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۹۱ سورۃ النسآء)

اور اس طرزِ خطاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

’’چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا اور اس میں ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر......تہمت لگائی اور سوا اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سبّ و شتم استعمال کئے۔ اس لئے قرینِ مصلحت معلوم ہوا کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جاوے لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ اُمید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شان مقدس کا بہرحال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا

بالمقابل ذکر کیا گیا ہے وہ بھی سخت مجبوری سے کیونکہ اس نادان (فتح مسیح) نے بہت شدّت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے۔'' (''نور القرآن'' نمبر۲ صفحہ۱)

مگر یہ وضاحت مرزا صاحب کی تحریرات میں موجود ہے کہ:-

''پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰؑ کو نہ سمجھ لیں بلکہ وہ کلمات اُس یسُوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں نام ونشان نہیں۔'' (''تبلیغ رسالت'' جلد۵ صفحہ ۸۰)

پھر فرماتے ہیں :-

''سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسُوع مُراد لیا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ بن مریم جو نبی تھا اور جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مُراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جنہوں نے اپنی عبارت کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے۔ جس مولوی کی خواہش ہو وہ آ کر دیکھ لے۔'' (''تبلیغ رسالت'' جلد۴ صفحہ ۶۵-۶۶)

پھر فرماتے ہیں :-

''ہم اسبات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا ہے جس نے بجائے مہذبانہ کلام کے ہمارے سید و مولا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطیبین و سید المطہرین پر سراسر افتراء سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا اِن کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے لہٰذا محض ایسے یاوہ لوگوں کے علاج کے لیے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا۔ ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیحؑ پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سچے نبی اور اُس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لیے ہمارے سیّد و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے پس ہم انکی حیثیت کے موافق ہر طرح اُن کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں لیکن عیسائیوں نے جو ایک یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اوّلین و آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا یعنی ان بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے۔ ایسے شخص کو ہم بھی رحمتِ الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں...... ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ بن مریم جو خدا تعالیٰ کا نبی تھا جس کا ذکر قرآن (کریم) میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں۔ یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔''

(''نور القرآن'' نمبر۲ بعنوان ناظرین کے لئے ضروری اطلاع)

ظلم و تعدّی کرنے والے بدزبان معترضین کے لیے الزامی جواب کا یہ انداز قرآن حکیم کی اس تعلیم کے عین مطابق تھا۔'' وَلَا تُجَـٰدِلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنۡهُمۡ '' (العنکبوت : ۴۷)

اور یہ انداز دیگر علماء نے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اہلِ حدیث کے عالم نواب صدیق حسن خانصاحب ایک واقعہ یوں لکھتے ہیں :-

''ایک بار ایلچی روم پاس بادشاہ انگلستان کے گیا تھا اس مجلس میں ایک عیسائی نے اس کو مسلمان دیکھ کر طعن کیا کہ تُم کو کچھ خبر ہے کہ تمہارے پیغمبر کی بی بی کو لوگوں نے کیا کہا تھا اس نے جواب دیا ہاں مجھ کو یہ خبر ہے کہ اس طرح کی دو بیبیاں تھیں جن پر تہمت زنا کی

لگائی گئی مگر اتنا فرق ہوا کہ ایک بی بی پر فقط اتہام ہوا، دوسری بی بی ایک بچہ بھی جَن لائیں۔ وہ نصرانی مبہوت ہو کر رہ گیا۔''

(''ترجمان القرآن'، جلد اول صفحہ ۴۳۰ از نواب صدیق حسن خان صاحب سورۃ آل عمران زیر آیت از قالت الملئکۃ یٰمریم ان اللّٰہ یبشرك بکلمۃ منہ مطبوعہ مطبع احمدی لاہور)

مولوی آل حسن صاحب اپنی کتاب "استفسار" میں جو "ازالۃ الاوہام" مؤلفہ مولوی رحمت اللہ صاحب کرانوی مہاجر مکّی کے حاشیہ پر چھپی ہے تحریر فرماتے ہیں:-

'' حضرت عیسٰی کا بن باپ پیدا ہونا تو عقلاً مشتبہ ہے اس لیے کہ حضرت مریم یوسف کے نکاح میں تھیں، چنانچہ اس زمانہ کے معاصرین لوگ یعنی یہود جو کچھ کہتے ہیں سو ظاہر ہے۔'' (صفحہ ۲۲)

''اور ذرے گریبان میں سر ڈال کر دیکھو کہ معاذ اللہ حضرت عیسٰی کے نسب نامہ مادری میں دو جگہ تم آپ ہی زنا ثابت کرتے ہو (صفحہ ۷۳)

''از انجملہ کلیتہً یہ بات ہے کہ اکثر پیشگوئیان انبیاء بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہیں جیسی خواب اور مجذوبوں کی بڑ...... پس اگر انہیں باتوں کا نام پیشگوئی ہے تو ہر ایک آدمی کے خواب اور ہر دیوانہ کی بات کو ہم پیشگوئی ٹھہرا سکتے ہیں۔'' (صفحہ ۱۳۳)

''عیسٰی بن مریم کہ آخر درماندہ ہو کر دُنیا سے انہوں نے وفات پائی۔'' (صفحہ ۲۳۲)

''اور سب عقلاء جانتے ہیں کہ بہت سے اقسام سحر کے مشابہ ہیں معجزات سے۔ خصوصاً معجزاتِ موسویہ اور عیسویہ سے۔''
(صفحہ ۳۳۶)

''اشعیاہ اور ارمیاہ اور عیسٰی کی غیب گوئیاں قواعدِ نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں بلکہ اس سے بہتر۔'' (صفحہ ۳۳۶)

''حضرت عیسٰی کا معجزہ احیاءِ میّت کا بعض بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا، بعد اس کے سب کے سامنے دَھڑ سے ملا کر کہا اُٹھ کھڑا ہو، وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور سانپ کو نیولے سے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا بعد اس کے سب ٹکڑے اس کے برابر رکھ کر تونبی بجائی اور وہ رینگنے لگا اور اچھا بھلا ہو گیا اور منتر سے جھاڑ پھونک کر دیو بھوت کو دفع کرنا اور بعض بیماریوں سے چنگا کرنا یہ سینکڑوں سے ہوتا دیکھا ہے۔'' (صفحہ ۳۳۶)

''ان (پادری صاحبان) کا اصل دین و ایمان آ کر یہ ٹھہرا ہے کہ خدا مریم کے رحم میں جنین بن کر خون حیض کا کئی مہینے تک کھاتا رہا اور علقہ سے مضغہ بنا اور مضغہ سے گوشت اور اس میں ہڈیاں بنیں اور اس کے مخرج معلوم سے نکلا اور ہگتا مُوتتا رہا۔ یہاں تک کہ جوان ہو کر اپنے بندے یحیٰی کا مرید ہوا اور آخر کو ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔'' (صفحہ ۳۵۰-۳۵۱)

''پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰی کا سب بیان معاذ اللہ جھوٹ ہے اور کرامتیں اگر بالفرض ہوئی بھی ہوں تو ویسی ہی ہونگی جیسی مسیح دجّال کی ہونے والی ہیں۔'' (صفحہ ۳۶۹)

''یہودی لوگ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جو لوگ توریت کے عالم تھے انہوں نے تو حضرت عیسٰیؑ سے کوئی معجزہ دیکھا نہیں اور چند مچھووں اور ملاحوں کا کیا اعتبار، عوام الناس تو ذرے سے شعبدہ میں آ جاتے ہیں۔'' (صفحہ ۳۷۱)

بارہویں صدی کے مجدّد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پادری صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا تو پھر انہوں نے بوقتِ قتل امام حسین کی فریاد نہ کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ اس پر شاہ صاحب نے کہا کہ نبی صاحب نے فریاد تو کی لیکن انہیں جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسٰی کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے۔
("رودِ کوثر" از شیخ محمد اکرم ایم۔اے صفحہ ۵۶۷، ۵۶۸)

بریلوی فرقہ کے لوگ مولوی احمد رضا خان بریلوی کو چودھویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں اور پاکستانی عوام کی اکثریت بریلوی ہے، وہ لکھتے ہیں :-

''نصاریٰ ایسے کو خدا مانتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے ...... ایسے کو جو یقیناً دغا باز ہے، پچتاتا بھی ہے تھک جاتا بھی ہے......''
('العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ' صفحہ ۷۴۰-۷۴۱)

''انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسیح نے اجنبی عورتوں سے اپنے سر پر عطر ڈلوایا۔''

(متی ۲۶/۶، مرقس ۱۴/۳، یوحنا ۱۲/۶، اہل حدیث امرتسر ۳۱/ مارچ ۱۹۳۹ء)

چنانچہ حضرت بانی سلسلۂ عالیہ احمدیہ نے بھی گذشتہ علماء کی طرح پادریوں کی اس ظالمانہ زہریلی روش کے بالمقابل مسیحی مسلمات اور انجیلی بیانات کی روشنی میں الزامی جوابات پیش کئے ہیں جنہیں عدالت نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر حضرت مسیحؑ کی توہین ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب حضرت مسیحؑ کے معجزات کے قائل نہ تھے تو یہ بھی ایک علمی سوال تھا جس کو اگر عدالت زیرِ بحث لاتی تو عدالت کو مطمئن کیا جا سکتا تھا، لیکن یہاں بھی عدالت نے محض یکطرفہ طور پر اور طعنہ زنی کے رنگ میں اعتراض کر دیا ہے اور حقیقت کو نہیں سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف جس رنگ کے معجزات منسوب کئے جاتے ہیں وہ کسی اور نبی سے منسوب نہیں کئے جاتے حتیٰ کہ خود نبیوں کے سردار خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس نوعیت کے معجزات منسوب نہیں ہیں۔

مسیح سے جو معجزے منسوب کئے گئے وہ مسیح کی الوہیت اور مسیح کے ابن اللہ ہونے کی دلیل ٹھہرائے گئے اور اسی حیثیت میں عیسائی انہیں پیش کرتے تھے، حضرت مرزا صاحب نے عیسائی پادریوں کے اس اِدّعاءِ الوہیت مسیح کے ردّ میں خود بائیبل سے مسیح کے معجزات کی حقیقت واضح کی اور یہ دکھایا کہ خود انجیل کی رُو سے اِن معجزات کی حقیقت کیا بنتی ہے اور اگر وہ معجزات اسی طرح ہیں جس طرح پادری بیان کر کے الوہیت مسیح ثابت کرنا چاہتے ہیں تو مسیح کے زمانے میں ایک آدمی بھی ایسا نہ رہتا جو اتنے واضح معجزات دیکھ کر ایمان نہ لے آتا مگر تاریخی طور پر امرِ واقعہ یہ ہے کہ خود بائیبل کے مطابق مسیح پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔

لہٰذا مسیح کے بارے میں جو کچھ کہا گیا وہ بھی از روئے بائبل تھا، قرآن حکیم سے معجزات کے بارے میں جو پُر معارف مضامین نکلتے ہیں ان کا ذکر ان اعتراضات میں نہیں یہ ایک الگ مضمون ہے اور مذہبی دُنیا کے لئے ایک نہایت پُر معارف خزانہ ہے۔

جہاں تک مسیح کی بن باپ ولادت کا تعلق ہے مرزا صاحب حسبِ ارشاد قرآنی مسیح کی بن باپ ولادت کے قائل تھے مگر جس طرح پادری صاحبان ان کی اس بن باپ ولادت کو مسیح کی رسول اکرمؐ پر فضیلت کی بنیاد ٹھہراتے تھے اور مسیح کے ابن اللہ ہونے کی دلیل بناتے تھے، مرزا صاحب اس کا سختی سے ردّ فرماتے تھے اور استدلال یہ تھا کہ محض بن باپ پیدائش نہ افضلیت کی دلیل ہے نہ ابن اللہ ہونے کی، کیونکہ حضرت آدمؑ تو صرف بن باپ ہی نہیں بغیر ماں اور باپ کے تھے۔

اس علمی مضمون کو بغیر مطالعہ کیے، بغیر اس کی گہرائیوں میں اترے، بغیر اس کے حُسن وقبح پر غور کیے، اس کا مَالَهُ وَمَا عَلَيْهِ کا جائزہ لیے بغیر محض طنزاً اعتراض کر دینا خود عدالت کی غیر جانبدارانہ حیثیت کے منافی تھا۔

اس مضمون پر بھی مرزا صاحب کی تصنیفات اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر اور اس مضمون پر قرآنی آیات کی تفسیر اہلِ علم کے لیے ایک روحانی مائدہ ہے جس کے لئے صلائے عام ہے۔ مگر فیصلے کا یہ حصّہ مبنی بر طعن اور یکطرفہ اور جانبدارانہ ہونے کی وجہ سے حذف کیے جانے کے لائق ہے۔

معجزات کے بارہ میں آپ کی اصولی رائے یہ ہے کہ بعض لوگ ہماری ''......بعض عبارتوں سے یہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت مسیحؑ کے معجزات کے منکر ہیں، مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے۔ ہمیں حضرت مسیحؑ کے صاحبِ معجزات ہونے سے انکار نہیں، بے شک ان سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے ہیں۔'' (''شہادۃ القرآن'' صفحہ ۷۷، ۷۸ حاشیہ)

حضرت مرزا صاحب کو دراصل جس امر سے انکار تھا وہ حضرت مسیح کے معجزات کو ایسے غلوّ کا رنگ دینے سے تھا جس کے نتیجے میں عیسائیوں کو یہ موقع مل سکے کہ وہ ایک طرف حضرت مسیح کو خدائی کا مقام دیں اور دوسری طرف یہ کہ اُن کے معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی نسبت بڑھا چڑھا کر پیش کریں چنانچہ آپ نے عیسائیت کے انجیلی بیانات پر سخت تنقید اور جرح کی ہے جن میں یسوع نامی شخصیت کی طرف معجزات منسوب کر کے اسے خدائی کا درجہ دیا جاتا ہے اور اسی تنقید کو غلط رنگ میں عدالت نے فیصلہ میں ذکر کیا ہے۔ البتہ بحیثیت ایک پاکباز نبی کے ان کے قرآن میں مذکور معجزات سے حضرت صاحب انکار نہیں کرتے۔ مگر قرآن کے بیان کردہ نشانات کو اگر انجیلی رنگ سے رنگین کر دیا جائے تو اُن کی حقیقت صداقت کے نشان کی بجائے محض شعبدہ بازی اور تماشے کی رہ جاتی ہے اور حضرت مرزا صاحب کے نزدیک حضرت مسیحؑ کا مقام ایسی شعبدہ بازی سے پاک اور اعلیٰ تھا۔

اگر حضرت مسیحؑ لوگوں کے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے، بیماروں کو تندرست کر دیتے تھے، غیب دانی کے تحت اُن کے کھانے وانے تک بنا دیتے تھے تو چاہیئے تھا کہ ایسے ظاہری رنگ کے نشانات دیکھ کر لوگ غیر معمولی تعداد میں آپ پر ایمان لے آتے لیکن ایمان لانے والوں کی تعداد تو بارہ حواریوں سے زائد نہیں بتائی جاتی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دیگر راستباز انبیاء کی طرح آپ کے نشانات بھی مادی اور ظاہری رنگ کے بجائے روحانی رنگ رکھتے تھے اور روحانی رنگ کے نشانات اور معجزات سے اہلِ دنیا ہمیشہ کم ہی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

''ہم حضرت مسیحؑ کے اعجازی احیاء اور اعجازی خلق کو مانتے ہیں ہاں اس بات کو نہیں مانتے کہ حضرت مسیحؑ نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مُردہ کو زندہ کیا ہو یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا ہو کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیحؑ کے مُردہ زندہ کرنے اور پرندہ پیدا کرنے کو تسلیم کیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کی خلق اور اس کا احیاء مشتبہ ہو جائیگا...... مسیحؑ کے پرندوں کا حال عصائے موسیٰ کی طرح ہے جیسے وہ سانپ کی طرح دوڑتا تھا مگر ہمیشہ کے لیے اس نے اپنی اصلی حالت کو نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی محققین نے لکھا ہے کہ مسیح کے پرندے لوگوں کے نظر آنے تک اُڑتے تھے لیکن جب نظر سے اوجھل ہو جاتے تھے تو زمین پر گر پڑتے اور اپنی پہلی حالت پر آجاتے تھے۔ پس اس سے حقیقی زندگی کب حاصل ہوئی۔'' (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۰ ترجمہ از عربی)

نظروں سے اوجھل ہونے پر گر پڑنے کے بارے میں امام سیوطی نے "جلالین" مطبع مجتبائی صفحہ ۴۹ پر، علّامہ ابن حیان نے "البحر المحیط" جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ پر اور امام وہب نے "تفسیر نیشاپوری" میں حاشیہ ابن حریر جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۹۵ پر لکھا ہے۔

پس حضرت مرزا صاحب نے انجیل کے افسانوی رنگ کے معجزات جو یسوع نے دکھائے ان سے انکار فرمایا ہے۔

(۷)

عدالت نے اپنے فیصلہ صفحہ ۱۳۷ تا ۱۴۳ میں یہ پٹا ہوا اعتراض بھی اٹھایا ہے کہ احمدی دیگر سب مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ رشتہ ناطہ اور معاشرت کے تعلقات بھی مسلمانوں سے نہیں رکھتے اور غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے لہٰذا وہ اپنے قول و فعل سے خود ایک الگ اُمّت بن چکے ہیں۔ عدالت کا یہ کہنا ہے کہ مسلمان اُنہیں اُمّت سے خارج تصور کرتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ احمدی بھی مسلمانوں کو اسی اُمّت سے باہر خیال کرتے ہیں اور یوں گویا یہ بالکل واضح ہے کہ دونوں ایک اُمّت سے تعلق نہیں رکھتے۔ سوال یہ نہیں تھا کہ احمدی اور پاکستان کے دیگر مسلمان ایک ہی اُمّت کا حصہ ہیں یا نہیں۔ سوال صرف اسقدر تھا کہ احمدی جو کچھ بھی ہیں کیا اذان کو ممنوع قرار دینا اور آرڈیننس کے دیگر تقاضے قرآن و سنت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اگر اس سوال کا کوئی بھی تعلق آرڈیننس کے جواز یا بطلان سے ہے تو اس اصول کے مطابق مسلمان فرقوں کے ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کے فتاویٰ کی وجہ سے ایسے لاتعداد آرڈیننس جاری کرنے پڑیں گے جس کے نتیجہ میں روئے زمین پر کوئی بھی اذان نہیں دے سکے گا۔ بایں ہمہ اگر احمدی اس وجہ سے ایک الگ اُمّت ہیں کہ مسلمان انہیں اُمّت سے خارج تصور کرتے ہیں تو دیو بندی بھی یقیناً ایک الگ اُمّت ہیں۔ کیونکہ بریلویوں کے نزدیک :

"دیو بندیوں کی عبارات ناقابل تاویل ہیں۔ توہین و تنقیص رسالت کا کفر ہونا اُمّت کا اجماعی عقیدہ ہے اس لیے توہین اور تنقیص کرنے والے اور تنقیص شانِ رسالت پر مطلع ہو کر حق ماننے والے یقیناً کافر ہیں۔ ان کے کفر میں شک کرنے والے بھی کافر و مرتد ہیں۔" (دیو بندی مذہب کا علمی محاسبہ صفحہ ۴۵۷ مصنفہ مولوی غلام مہر علی صاحب گولڑوی۔ مطبوعہ کتب خانہ مہریہ مسجد نور منڈی چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر جولائی ۱۹۵۶ء)

اور اگر علماء کے فتوے سے الگ اُمّت وجود میں آتی ہو تو دیو بندی حضرات کے بارہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا یہ فتویٰ توجہ کے لائق ہے۔

"جب علمائے حرمین طیّبین زادہما اللہ شرفاً و تکریماً نانوتوی و گنگوہی و تھانوی کی نسبت نام بنام کفر کی تصریح فرما چکے ہیں کہ یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ مَنْ شَكَّ فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر، نہ کہ اس کو پیشوا و سرتاج اہلِ سنت جاننا۔ بلاشبہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی و بدمذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاویٰ الحرمین سے منقول ہوئیں مورد ہے بلاشبہ اس سے دُور بھاگنا اور اسے اپنے سے دُور کرنا، اس سے بغض، اس

کی اہانت، اس کا ردّ فرض ہے اور توقیر حرام اور ہدم اسلام، اسے سلام کرنا حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص اور بیمار پڑے تو اُسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت، اسے مسلمان کا سا غسل وکفن دینا حرام، اس پرنمازِ جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھانا، اس کے جنازہ کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لیے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب حرام بلکہ کفر۔"

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ، ۔مہر عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان محمدی، سُنّی ،حنفی، قادری۔ (عرفان شریعت حصہ دوم صفحہ ۳۸، ۳۹ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب، لاہور۔ گلزار عالم پریس۔ لاہور)

اور دیو بندی حضرات کو بریلوی حضرات کے کفر کے بارہ میں قطعاً کوئی شُبہ نہیں ہے۔ دیو بندی حضرات کے نزدیک :

"رسول مقبول دجالِ بریلوی اور اُن کے اتباع کو سُحقاً سُحقاً فرما کر اپنے حوضِ مورود اور شفاعتِ محمود سے کتوں سے بدتر کر کے دھتکار دیں گے۔" (الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب صفحہ ۱۱۱)

اسی طرح سے بریلوی حضرات کے بارہ میں دیو بندیوں کے شیخ القرآن کا یہ فتویٰ ہے کہ :

"نبی کو جو حاضر ناظر کہے بلاشک شرع اسکو کافر کہیئے۔" "اور جو انہیں کافر و مشرک نہ کہے وہ بھی ایسا ہی کافر ہے۔" "ایسے عقائد والے لوگ پکے کافر ہیں اور ان کا کوئی نکاح نہیں۔" اور ان کے نزدیک "اگر اس عقیدہ کے ساتھ کوئی مرگیا تو ان کے لیے نہ دعا مانگنی چاہیئے نہ صدقہ خیرات کرنی چاہیئے، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔" (جواہر القرآن صفحہ ۶۰، ۷۷، ۷۸، ۱۳۱)

رہ گئے شیعہ حضرات تو ان کے بارہ میں حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ :-

"اُنہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے اور ایمان سے الگ ہوگئے ہیں۔" (غنیۃ الطالبین تالیف عبدالقادر جیلانی صفحہ ۲۱۸، ۲۲۰ مطبع حامی لاہور اکتوبر ۱۹۶۵ء)

علمائے ماوراء النہر کے نزدیک :

"بادشاہِ اسلام بلکہ تمام انسانوں پر ان کا قتل کرنا اور ان کو مٹا دینا دین حق کی سربلندی کے لیے لازمی ہے اور ان کے مکانوں کو تباہ کرنا اور مال و اسباب کو لوٹ لینا جائز ہے۔" (رد روافض صفحہ ۱۸ مشمولہ مکتوبات امام ربّانی جلد سوم مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک :

"فرقہ امامیہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے منکر ہیں اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو صدیق اکبر کی خلافت کا انکار کرے گا وہ اجماع قطعی کا منکر اور کافر ہوگا۔" (مجموعہ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۹۱ ناشر مولوی محمد عبدالاحد مطبع مجتبائی دہلی)

اسی طرح غیر مقلدین کے بارہ میں مقلدین کے فتاویٰ بھی بڑے واضح اور دوٹوک ہیں اور اُن کے نزدیک :

"تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والا شرعاً کافر بلکہ مرتد ہوا۔ اور حکام اہلِ اسلام کو لازم ہے کہ اُسے قتل کریں اور عذر داری اس کی بایں وجہ کہ مجھ کو اس کا علم نہیں تھا شرعاً قابلِ پذیرائی نہیں۔ بلکہ بعد توبہ کے بھی اس کو مارنا لازم ہے۔ یعنی اگرچہ توبہ کرنے سے مسلمان ہو جاتا ہے لیکن ایسے شخص کے واسطے شرعاً یہی سزا ہے کہ اس کو حکام اہل اسلام قتل کر ڈالیں۔ یعنی حدّ زنا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح یہ حد بھی تائب ہونے سے دُور نہیں ہوتی۔ اور علماء اور مفتیان وقت پر لازم ہے کہ بجز و مسموع ہونے ایسے امر کے اس کے کفر اور ارتداد کے فتویٰ دینے میں تردد نہ کریں ورنہ زمرۂ مرتدین میں یہ بھی داخل ہوں گے۔" (انتظام

المساجد باخراج اہل الفتن والمکاسد والمفاسد صفحہ ۵ تا صفحہ ۷، مطبوعہ جعفری پریس لاہور۔ مصنفہ مولوی محمد بن عبدالقادر لدھیانوی)

اور

"غیر مقلدین تو مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ مرتد ہیں ...... یہ غیر مقلدین وہابی نجدی خود اپنے ہی پیغمبروں کے قول کے مطابق اسلام سے خارج ہیں۔ پس ان کے پیچھے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ الغرض یہ غیر مقلدین ملحدین کسی طرح مسلمان نہیں ہو سکتے۔"

(ارتداد الوہابیین فی جواب اہل الذکرہ تکفیر صفحہ ۲۶ تا ۳۰ مرتبہ ابوالحامد احمد علی مطبوعہ روز بازار، الیکٹرک سٹیم پریس، امرتسر)

صرف تکفیر اور ارتداد یا اخراج از اسلام کا ہی سوال نہیں جنازہ اور نکاح کے معاملات میں بھی کوئی دو فرقے آپس میں راضی نہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے نزدیک تو دیوبندیوں کے ساتھ

"شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص" ہے اور "جنازے میں شرکت" اور "نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر" ہے اور "جنازہ کندھوں پر اُٹھانا بھی حرام ہے"۔

(عرفان شریعت حصہ دوم صفحہ ۳۸، ۳۹ نوری کتب خانہ بازار۔ داتا صاحب لاہور۔ گلزار عالم پریس۔ لاہور)

سنیوں کے نزدیک شیعہ حضرات :

"اہل کتاب بھی نہیں اُن سے مناکحت اور تعلقات رکھنا حرام"

اور ناظم شعبہ تعلیمات دارالعلوم دیوبند محمد مرتضیٰ حسن کے نزدیک :

" شیعوں سے جمیع مراسم اسلامیہ ترک کرنا چاہیئے بالخصوص مناکحت کیونکہ اس میں خود یا دوسروں کو زنا اور فواحش میں مبتلا کرنا ہے۔" (علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ درباب ارتداد شیعہ اثنا عشریہ۔ ناشر مولوی محمد عبدالشکور مدیر النجم لکھنؤ ۱۹۲۹ء)

رہ گئے شیعہ حضرات تو ان کا فتویٰ یہ ہے کہ :

"شیعہ سُنّی کا نکاح جائز نہیں۔" (الفروع من الجامع الکافی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ کتاب النکاح مؤلفہ ابوجعفر محمد بن یعقوب)

اور

"نزدیک محققین کے حرام ہے عقد مومنہ شیعہ کا سنی مرد سے۔"

(تحفۃ العوام صفحہ ۲۷۳ بار چہارم مرتبہ سیّد تصدق حسین مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

الغرض اگر اصول یہی ٹھہرے کہ جس فرقہ کو دوسرے فرقے کا فر قرار دیتے ہوں اور جو دوسرے فرقوں کو کافر قرار دیتا ہو، رشتہ ناطہ اور معاشرت کے تعلقات بھی آپس میں نہ ہوں تو ایک الگ اُمّت وجود میں آجاتی ہے تو پھر اس مملکت خداداد میں درجنوں اُمتیں آباد ہیں۔ سب خود کو مسلمان کہلانے والی اور دوسروں کو اُمت سے خارج سمجھنے والی۔

اور اگر آرڈیننس کے جواز و بطلان کا مدار اس اصول پر ہو جو عدالت نے قائم کیا ہے تو پھر اس سرزمین پاک میں خدا کی توحید اور اس کے نام کی کبریائی کی اذانیں نہیں گونجیں گی۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بلند نہیں ہوگی اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحُ کی آوازیں بھی سنائی نہ دیں گی۔ چونکہ ہر فرقہ اس وجہ سے اذان سے محروم ٹھہرے گا کہ وہ دوسروں کو اور دوسرے اُسے کافر قرار دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ احمدیوں کے اُمتِ مسلمہ سے خارج ہونے کا سوال غیر متعلق اور غیر ضروری تھا۔ اس سوال کو اپنے فیصلے میں زیرِ غور لا کر عدالت نے احمدیوں کے خلاف ایک غلط اور متعصّبانہ اعتراض کی اشاعت و ترویج میں جماعتِ احمدیہ کے معاندین کے مقاصد کو آگے بڑھایا ہے۔ مگر یہ اعتراض خود اسلامی تعلیمات، قرآنی احکام، ارشاداتِ رسولؐ اور مسائلِ دینیہ کے علاوہ تاریخی حقائق و واقعات سے عدم واقفیت اور قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہیں۔

یہ کسی طویل بحث کا موقعہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ مختصر درخواست مکمل حوالہ جات کی متحمل ہوسکتی ہے مگر بات نہایت آسان اور سہل ہے۔صرف تھوڑے سے تدبّر اور مطالعے اور تاریخی واقعات کو اپنے صحیح پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک اس سوال کے علمی پہلو کا تعلق ہے لفظ ملت اور لفظ اُمّت کا تفصیلی مطالعہ ساری ذہنی اُلجھن کو بآسانی رفع کرسکتا ہے۔خود عدالت کے فیصلے میں صفحہ ۱۲۵ سے ۱۳۰ تک لفظ اُمّت کے مختلف معانی اور استعمال زیرِ بحث آئے ہیں۔اور جیسا کہ فیصلے کے صفحہ ۱۲۶ میں درج ہے، اُمّت کے معنی لوگ اور افراد، اصول، دور یا زمانہ، ہادی، راہنما، قوم، ایک ہی نبی یا مذہب کے پیروکار۔ یہ سبھی معنی لغت میں مذکور ہیں۔اور امام راغب کے قول کے مطابق اُمّت کے معانی قوم اور جماعت کے ہیں۔ بالخصوص جبکہ کوئی جماعت مشترکہ معاملات سے پہچانی جائے جس میں نظریاتی، معاشرتی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی مقاصد کا اشتراک شامل ہے۔

قرآن حکیم سے لفظ اُمّت کے مختلف استعمال خود عدالت کے فیصلہ میں صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ پر درج ہیں۔خود رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ اُمّت کو اپنے متبعین کے لیے استعمال کیا۔جیسا کہ عدالت کے فیصلہ کے صفحہ ۱۲۸ میں مذکور ہے خود میثاقِ مدینہ میں رسولِ کریمؐ نے یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال کیا۔ میثاقِ مدینہ کے ابتدائیہ میں قریش یثرب کو، مومنوں، مسلمانوں، ان کے بعد آنے والوں کو، جو ان کے ساتھ جہاد میں شامل ہوں، ایک اُمّت قرار دیا گیا اور تسلیم کیا گیا کہ وہ باقی سب مسلمانوں سے الگ ایک اُمّت ہیں۔ ’’فَاِنَّھُم اُمَّۃٌ مِن دُوْنِ النَّاس۔‘‘

پھر اس میثاقِ مدینہ کی دفعہ ۲۶ میں بنی عوف کے یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمّت قرار دیا گیا۔گویا معاہدے کے فریقین کے لیے الگ الگ بھی اُمّت کا لفظ استعمال ہوا اور انہیں مجموعی طور پر بھی ایک اُمّت قرار دیا گیا۔عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۱۲۹ پر تسلیم کیا ہے کہ میثاقِ مدینہ میں مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیت پر مبنی ایک سیاسی وحدت کے لیے لفظ اُمّت استعمال کیا گیا ہے۔غرضیکہ یہ بات واضح ہے کہ لفظ اُمّت کے دینی اور سیاسی مفہوم الگ الگ موجود ہیں اور لفظ اُمّت کے اپنے مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی تقاضے ہیں۔

قرآن حکیم اور ارشاداتِ نبویؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کی کامل اطاعت اور اسلام اور ایمان کے مختلف مدارج اور کیفیات کے باوجود عام مفہوم کے مطابق مسلمان کہلانا اور اسلام کی حقیقی روح کے مطابق اسلام کے تقاضوں پر پورا اترنا، دو مختلف کیفیات ہیں۔اور اس بات کو قرآن حکیم نے یکجائی طور پر سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۵ میں ایمان اور اسلام کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں :

> "شریعت میں اسلام دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک دون الایمان جس سے مراد زبانی اقرار ہے اور اس اقرار سے جانی تحفظ حاصل ہو جاتا ہے خواہ اس اقرار کے ساتھ اعتقاد موجود ہو یا نہ ہو۔اور قرآن حکیم کی آیت قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا، کا یہی مقصود ہے۔
>
> دوسرا اسلام وہ ہوتا ہے جو فوق الایمان ہے اور وہ اقرار کے علاوہ دلی اعتقاد عملی وفا اور خُدا تعالیٰ کی تمام قضاء وقدر کے سامنے مکمل تسلیم و رضا کا نام ہے۔جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اُن کے اس قول میں مذکور ہے۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسی بات کو حضرت شاہ ولی اللہ حُجۃ البالغہ میں بیان فرماتے ہیں کہ:- ’’اصلِ ایمان میں سے یہ ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے تو اس کے ساتھ کسی قسم کی لڑائی نہ کر۔ہم اس کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیں گے اور نہ اُسے اسلام سے خارج کریں گے۔‘‘ (حجۃُ اللہ البالغہ مترجم جز اوّل صفحہ ۲۲۳)

یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کرتے ہیں کہ اَلْاِسْلَامُ عَشَرَۃُ اَسْھُمٍ قَدْ خَابَ مَنْ لَّا سَھْمَ لَہٗ شَھَادَۃُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَھِیَ الْمِلَّۃُ۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۹)

یعنی اسلام کے دس حصے ہیں جس شخص کو ایک حصہ بھی نہ ملا وہ تباہ ہو گیا اور پہلا حصہ یہ ہے کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دے اور پھر فرمایا۔ وَھِیَ الْمِلَّۃُ ۔یہی ملّت ہے۔یعنی اتنے اقرار سے وہ ملّت میں داخل ہو جاتا ہے گویا اس سے بعد کی باتیں ایمان کے مدارج سے تعلق رکھتی ہیں۔یہ جو آئے دن مختلف فرقے ایک دوسرے کے بارہ میں کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں تو ان کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ جس کو کافر قرار دیا جا رہا ہے اسے ایمان کے دائرے سے خارج کیا جا رہا ہے۔دائرہ اسلام سے کوئی کسی کو خارج نہیں کر سکتا۔جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب ’’معین الحکام‘‘ صفحہ ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ کلمہ کے انکار کے علاوہ کوئی چیز کسی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

جماعت احمدیہ نے جب بھی کافر کا لفظ استعمال کیا تو وہ دون الایمان کفر کے معنوں میں استعمال کیا۔جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے لیکچر لدھیانہ کے صفحہ ۴۷ پر فرمایا:

''اس وقت مسلمان اَسۡلَمۡنَا میں تو بیشک داخل ہیں مگر آمَنَّا کی ذیل میں نہیں۔''

جماعت احمدیہ کلمہ گو ہے اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دیگر تمام ضروریات دین پر کامل ایمان رکھتی ہے۔ جہاں تک تاریخی واقعہ کا تعلق ہے جماعت احمدیہ خود کسی کلمہ گو کو کافر نہیں ٹھہراتی جیسا کہ مرزا صاحب نے حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا :-

''کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے تو وہ پیش کریں۔ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو خود ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگائیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ ''اَیُّمَا رَجُلٍ مُسۡلِمٍ کَفَّرَ رَجُلاً مُسۡلِماً فَاِنۡ کَافِرًا وَاِلَّا کَانَ هُوَالۡکَافِرُ۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ) کہ جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر ٹھہرائے تو خود کافر ہو جاتا ہے۔

جہاں تک نکاح کا سوال ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ نے کسی احمدی لڑکی کا کسی غیر احمدی مسلمان سے نکاح کے باطل ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ حفظِ ماتقدّم کے طور پر ایک خالص انتظامی سہولت کا مسئلہ ہے تاکہ بعد میں پیچیدگیاں پیدا نہ ہوں۔شادی بیاہ سے پہلے معاشرتی ہم آہنگی اور کفو کی بناء پر ہی رشتے طے کیے جاتے ہیں اور اگر معاشرتی تفاوت اور دیگر ذاتی وجوہ کی بناء پر کوئی رشتہ نہ کیا جائے تو اس سے تکفیر لازم نہیں آتی۔شادی بیاہ سے پہلے لوگ خاندانی پیشہ ورانہ، اقتصادی، مذہبی، ذہنی اور ثقافتی حالات کو مدّ نظر رکھتے ہیں اور اسی بناء پر رشتے قبول یا ردّ کیے جاتے ہیں۔غرضیکہ یہ کوئی ایسے معاملات نہیں ہیں جو اساسِ دین ہوں۔

جہاں تک احمدیوں کے اُمّتِ مسلمہ کے تناظر میں قول و فعل کا تعلق ہے تاریخ میں جماعت احمدیہ کی ملّی خدمات سنہری حروف میں لکھی جانے کے قابل ہیں۔ جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہی مسلم ملّی مفاد کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔کوئی ایک موقعہ بھی ایسا نہیں جب جماعتِ احمدیہ نے مسلمانوں کے ساتھ ملّی یگانگت کا ثبوت نہ دیا ہو۔ وہ مسلم لیگ کی تحریک ہو یا کشمیری مسلمانوں کی بہبود کا سوال، شدھی کی تحریک ہو یا آریوں اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کا مسئلہ، فلسطین کا قضیہ ہو یا کشمیر کا جھگڑا، ہر دور میں ہر موڑ پر جماعت احمدیہ ملّتِ اسلامیہ کے ساتھ ہمیشہ بنیان مرصوص بن کر کھڑی ہوئی۔

عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحات نمبر ۹۵ سے نمبر ۱۰۰ تک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے دیگر انبیاء سے برابری یا ان میں سے بعض سے افضلیت کا دعویٰ کیا ہے۔عدالت کے فیصلہ کا یہ حصہ بھی عدم واقفیت اور مذہبی علوم سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔قطع نظر اس کے کہ یہ امر مقدمہ کے بنیادی مباحث سے غیر متعلق تھا اس معاملے پر کوئی رائے زنی کرنے سے پہلے اُمّتِ مسلمہ میں ظاہر ہونے والے امام مہدی اور مسیح کے مقام کا تعین قرآن وحدیث کی روشنی میں ضروری تھا۔کیونکہ مرزا صاحب کے مخالفین کو اس بات کا تو یقیناً اختیار ہے کہ وہ مرزا صاحب کو دعویٰ میں سچا نہ جانیں اور ان کو امام مہدی یا مسیح تسلیم نہ کریں مگر امام مہدی یا مسیح جب بھی وہ ظاہر ہوں تو ان کا مقام قرآن وحدیث سے ہی متعین کیا جائے گا۔اور جب ہم اس خیال سے اسلامی لٹریچر پر نظر دوڑاتے ہیں تو حضرت امام جعفر صادق کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ امام مہدی آ کر کہے گا۔

''یا معشر الخلائق الاومن ارادأن ینظرالی ابراهیم واسماعیل فهاانااذا ابراهیم واسماعیل ومن ارادأن ینظرالی موسیٰ ویوشع فهاأناذاموسیٰ ویوشع الا ومن ارادأن ینظر الی عیسٰے وشمعون فهاأناذاعیسٰی وشمعون الا ومن ارادأن ینظر الی محمّدوامیرالمؤمنین صلوٰت اللہ علیه فهااناذامحمّدصلّی اللّٰه علیه واٰله وسلّم وامیرالمؤمنین الاومن ارادأن ینظر الی الحسن والحسین فها اناذا الحسن والحسین ومن ارادأن ینظر الی الائمة من ولدالحسین فها انا ذا الائمة۔

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲)

اے تمام لوگو! سن لو جو ابراہیم اور اسماعیل کو دیکھنا چاہے تو یاد رکھے کہ وہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ میں ہوں اور جو موسیٰ اور یوشع کو دیکھنا

چاہے تو وہ موسیٰ اور یوشع میں ہوں اور جو عیسیٰ اور شمعون کو دیکھنا چاہے تو وہ عیسیٰ اور شمعون میں ہوں اور جو محمدؐ اور امیر المومنین کو دیکھنا چاہے تو وہ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور امیر المومنین میں ہوں اور جو حسن اور حسین کو دیکھنا چاہے تو وہ حسن اور حسین میں ہوں اور جو نسلِ حسین میں ہونے والے آئمہ کو دیکھنا چاہے تو وہ آئمہ میں ہوں۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنے والا ہو بہو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا عکسِ کامل (TRUE COPY) ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں :-

''حقٌ لہ أن ینعکس فیہ انوارسَیَّدالمرسلین صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یزعم العامۃ أنہ اذانزل فی الارض کان واحدًامن الأُمّۃ کلّا بل ھوشرح للاسم الجامع المحمدی و نسخۃٌ منتسخۃٌ منہ وشتّان بینہ و بین احدٍ من الامّۃ۔ (الخیر الکثیر مترجم صفحہ۲۳۶،۲۳۷)

یعنی مسیح موعود اس بات کا حقدار ہے کہ اس میں سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انوار منعکس ہوں۔ عام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مسیح موعود نازل ہوگا تو محض اُمتی فرد ہوگا ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ اسم جامع محمدی کی شرح اور آپ کی دوسری کاپی ہوگا پس کہاں وہ اور کہاں محض ایک امتّی۔

امام عبدالرزاق قاشانی لکھتے ہیں :-

''المھدیّ الذی یجئ فی اٰخرالزمان فانہ یکون فی احکام الشریعۃ تابعاً لمحمدٍ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وفی المعارف والعلوم والحقیقۃ تکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین لہ کُلھّم ولایناقض ما ذکرناہ لانّ باطنہ باطن محمد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) علیہ السَّلام ۔'' (شرح القاشانی علی فصوص الحکم صفحہ۳۵)

یعنی مہدی آخر الزمان شرعی احکام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوگا۔ لیکن معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء اس کے تابع ہوں گے کیونکہ اس کا باطن محمد علیہ السلام کا باطن ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

''تارۃاخریٰ بان تشتبک بحقیقۃِ رجلٍ من آلہ اوالمتوسلین الیہ کما وقع بنبینا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالنسبۃ الی ظھور المھدیّ۔'' (تفھیمات الٰھیہ جلد ثانی صفحہ۱۹۸)

یعنی بروز حقیقی کی ایک قسم یہ ہے کہ کبھی ایک شخص کی حقیقت میں اس کی آل یا اسکے متوسلین داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے نبی صلعم کے مہدی سے تعلق میں اس طرح کی بروزی حقیقت وقوع پذیر ہوگی۔

اسی طرح حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خانصاحب نے ابن سیرین کا قول یوں نقل کیا ہے :

''قال ابن ابی شیبۃ فی باب المھدی عن محّمد بن سیرین قال یکون ھذہٖ الامّۃ خلیفۃ خیر من ابی بکر و عمر قیل خیر منھما قال قد کادیفضل علی بعض الأنبیاء وفی لفظ لا یفضل علیہ ابو بکر و وعمر سیوطی گفتہ ھذا اسناد صحیح۔'' (حجج الکرامۃ صفحہ۳۸۶)

ابن ابی شیبہ باب المہدی میں محمد بن سیرین کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا اس امّت میں ایک ایسا خلیفہ ہوگا جو ابوبکر اور عمر سے بھی بہتر ہوگا اُن سے پوچھا گیا کہ کیا وہ ان دونوں سے بہتر ہوگا انہوں نے جواب دیا کہ ہاں قریب ہے وہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہو اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں اس خلیفہ سے ابوبکر اور عمر افضل نہیں ہوں گے۔ امام سیوطی نے اس قول کی سند کو

صحیح قرار دیا ہے۔

غرضیکہ آنے والے کے مقام اور مرتبے کے بارہ میں اُمّت مسلمہ کا عقیدہ جو بھی ہے وہی جماعت احمدیہ کا حضرت مرزا صاحب کے بارے میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے ان کو یہ اختیار تو ہے کہ وہ اس دعویٰ کو تسلیم نہ کریں مگر اس بات کا کوئی مجاز نہیں کہ قرآن و حدیث اور آئمہ سلف نے جو مقام آنے والے کا متعین کیا ہے اس کو نظر انداز کر دے۔

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح سے افضلیت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ بھی دراصل اپنی فضیلت نہیں بلکہ سلسلۂ محمدیّہ کی سلسلۂ موسویہ پر فضیلت کا ذکر ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں :-

''مسیح ابن مریم آخری خلیفہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اس نبی کا ہوں جو خیر الرسل ہے اس لیے خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے ان لوگوں کو گوارا نہ ہوں گے جن کے دلوں میں حضرت مسیح کی محبت پرستش تک پہنچ گئی مگر میں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں کیا کروں کسطرح خدا کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں۔''

غرضیکہ مسیح علیہ السلام پر مرزا صاحب کی فضیلت کے دعویٰ کا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی روشنی میں ہی سمجھا جا سکتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ قرآنی تعلیمات اور حضور کے ارشادات کے پیش نظر حضرت مسیح علیہ السلام اور آنے والے مسیح موعود کے حقیقی مقام کو ذہن میں مستحضر رکھا جائے۔ عیسائی دنیا نے حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیّت کے رنگ میں پیش کر رکھا ہے اور ان کی خدائی کے چرچے کیئے جا رہے ہیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان کو کم دکھانے بلکہ توہین کے ارتکاب میں عیسائی دنیا دن رات کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے یہ صورتِ حال برداشت نہ کی اور مسیح کی خدائی کو باطل کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کو مسیح پر فضیلت بخش دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چاکر اور غلام ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں ''دوسری بات یہ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام مختص الزماں اور مختص القوم تعلیم اور مشن کے کر آئے تھے جس کا تعلق توریت اور بنی اسرائیل سے تھا۔'' مگر مرزا صاحب قرآن جیسی اکمل کتاب اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم المرتبت رسول کے تابع اور اسلام کے عالمگیر مشن کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ٹھہرتا ہے کہ آپ کے دائرہ اصلاح میں دنیا کی ساری اقوام ہیں اور قرآن کریم کے جامع اور دائمی شریعت کے تقاضے توریت اور انجیل کی نسبت کہیں زیادہ اور بلند و بالا ہیں۔ لہٰذا اس بناء پر آپ اپنی فضیلت مسیح ناصری علیہ السلام پر بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

''اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جبکہ مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لیے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے۔ اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کے لیے آیا تھا۔ تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ طاقتیں اور قوتیں بھی دی ہیں جو اس بوجھ کے اٹھانے کے لیے ضروری تھیں اور وہ معارف اور نشان بھی دیئے گئے ہیں جن کا دیا جانا اتمام حجت کے لیے مناسب وقت تھا مگر ضروری نہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو وہ معارف اور نشان دیئے جاتے کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت نہ تھی اس لیے حضرت عیسیٰؑ کی سرشت کو وہ قوتیں اور طاقتیں دی گئیں جو یہودیوں کے ایک تھوڑے سے فرقے کی اصلاح کے لیے ضروری تھیں اور ہم قرآن شریف کے وارث ہیں جس کی تعلیم جامع تمام کمالات ہے اور تمام دنیا کے لیے ہے مگر حضرت عیسیٰؑ صرف توریت کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم تھے اس وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو توریت میں مخفی اور مستور تھیں لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زائد بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے اور وہ توریت کی طرح کسی انجیل کی محتاج نہیں۔''
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۱)

لیکن اس دعوئ فضیلت کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کے عالی منصب سے مرزا صاحب انکاری نہیں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں :-

''اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کا دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظرِ کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۹۹ حاشیہ در حاشیہ)

نیز فرمایا :-

’’موسیٰ کے سلسلے میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں تو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہم نام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔‘‘ (کشتی نوح صفحہ ۱۶)

پھر فرماتے ہیں :-

’’ہم اس بات کے لیے بھی خُدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو ان کی شانِ بزرگ کے خلاف ہو۔‘‘
(ایام الصلح سرورق نمبر ۲)

الغرض یہ اشکال بھی اس لیے پیدا ہوا کہ مسیح موعود اور امام مہدی کے عقیدہ کے بارے میں قرآن و حدیث اور اسلامی لٹریچر اور مرزا صاحب کی تحریرات عدالت کے پیش نظر نہ تھیں اور سائلان کو اس امر کا موقع فراہم نہ کیا گیا کہ وہ ایک جامع تصویر عدالت کے سامنے پیش کرتے۔ محض مخالفین کی تحریرات سے ادھورے اور نامکمل اقتباسات کی بنیاد پر غلط استدلال قائم کیا گیا اور ناروا نتائج اخذ کیے گئے لہٰذا یہ حصہ بھی حذف کیے جانے کے لائق ہے۔

۸

عدالت نے اپنے فیصلہ کے صفحہ ۹۱، ۹۲ اور صفحات ۱۴۶ تا ۱۴۹ پر اس امر کا ذکر کیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا تھا۔ جیسا کہ اصولی طور پر یہ بات بیان کی جا چکی ہے اس امر کا بھی مقدمہ کے فیصلہ سے دور کا تعلق نہ تھا اور عدالت نے محض اپنے تعصّب کی بناء پر جماعتِ احمدیہ کے خلاف فضاء کو مسموم کرنے کے لیے یکطرفہ طور پر معاندین احمدیت کے ایسے حوالہ جات پر انحصار کیا جو مرزا صاحب کی تحریرات سے قطع و برید کر کے غلط نتائج اخذ کر کے تیار کیے گئے تھے۔ جہاد کے بارے میں وکیلِ سرکار نے جو بحث اٹھائی تھی اور جو استدلال کیا تھا اس کے جواب میں سائلان کی نہایت جامع و مانع مدلّل بحث کا ایک مختصر خلاصہ، خلاصۂ بحث کے صفحات ۱۱۰ سے ۱۱۴ میں پیش کیا گیا جس میں سائلان کی طرف سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ عدالت میں پیش کر دی گئی تھی کہ مرزا صاحب نے ہرگز ہرگز جہاد کو منسوخ قرار نہیں دیا۔ صفحہ ۹۲ میں عدالت کا یہ کہنا کہ ’’مرزا صاحب نے قرآنی نصوص پر مبنی جہاد کو منسوخ کرنے کا حق بطور نبی کے استعمال کیا‘‘ سراسر غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ قرآن شریف کی کسی آیت بلکہ کسی آیت کے کسی حصہ کو بھی کسی مفہوم میں منسوخ نہیں مانتے بلکہ مرزا صاحب نے سب سے پہلے نسخ فی القرآن کے عقیدہ کو ردّ کیا جبکہ ان سے پہلے لوگ کبھی پانچ سو کبھی بیس اور کبھی پانچ آیات کو منسوخ قرار دیتے رہے۔ جماعت احمدیہ کسی ایک آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتی۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اُس نے نصوصِ قرآن پر مبنی جہاد کو منسوخ کر دیا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ عدالت نے جہاد کے موضوع پر بھی یکطرفہ طور پر قلم اُٹھایا ہے اور وہ امور جن پر استدلال کیا گیا ہے وہ عدالت کے زیرِ بحث نہ لائے اور نہ ہی عدالت نے سائلان کی بحث کو سمجھا اور نہ ہی جہاد کے بارے میں قرآنِ حکیم کی پُر حکمت تعلیم پر غور کیا۔

آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک آزاد ملک عطا کیا ہے اور انگریز کی حکومت یہاں ختم ہو چکی ہے اس زمانہ کے ماحول اور پسِ منظر کو نظر انداز کر کے اعتراضات کی ایک بنیاد اٹھانا اور بات ہے اور تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے اس دور کے حالات اور ماحول کو سمجھنا اور بات ہے۔ جب تک انگریز کی حکومت یہاں قائم تھی جماعتِ احمدیہ کے وہی معاندین جن کی تحریروں کی بنیاد پر عدالت نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف منسوخیِ جہاد کے الزام کو اپنے فیصلہ میں جگہ دینے کو روا سمجھا ہے وہی حکومتِ برطانیہ کے پاس یہ نالش لے لے کر جاتے تھے کہ مرزا صاحب مہدی ہونے کے دعویدار ہیں اس لیے مہدی سوڈانی کی طرح حکومت کے لیے خطرہ ہیں اور حکومت کے خلاف جہاد کے قائل ہیں اور آج وہی علماء اُن پر منسوخیِ جہاد کا الزام عائد کرتے ہیں۔

جہاں تک برطانوی حکومتِ ہند سے ہندوستان میں جنگ نہ کرنے اور ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کا سوال تھا وہ سوال مرزا صاحب کے دعویٰ سے بہت پہلے ہندوستان کے علماء اور مجتہدین طے کر چکے تھے اور اس بارہ میں جو دلائل اور حوالہ جات سائلان کی طرف سے پیش کئے گئے عدالت ان کو ردّ نہیں کر سکی اور ان کا سرسری ذکر کر کے اپنے پہلے سے طے شدہ نتائج پر پہنچ گئی ہے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ بھی مقدمہ کے تصفیہ کے لیے ضروری نہیں تھا لیکن چونکہ عدالت نے فیصلے میں ان امور کو شامل کر کے سائلان کے خلاف مواد مہیّا کیا ہے اس لیے یہ حصہ بھی حذف کیے جانے کے لائق ہے۔

اگر عدالت سائلان کو موقعہ بہم پہنچاتی تو سائلان قرآن حکیم کی تعلیم عدالت کے سامنے پیش کرتے اور یہ بات واضح ہو جاتی کہ قرآن شریف کی رو سے جہاد کی تین اقسام ہیں۔

اوّل:- جہادِ کبیر یعنی تبلیغ۔ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۔ (فرقان:۵۳) اے نبی کفار کے ساتھ قرآن کریم کے دلائل کے ذریعہ جہاد کر یعنی انہیں تبلیغ کر۔

یہ جہاد ہر مسلمان پر ہر وقت فرض ہے۔

دوم:- جہادِ اکبر۔ یعنی تربیتِ نفس۔ چنانچہ جب رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ (رد المحتار کتاب الجہاد) کہ ہم جہادِ اصغر یعنی جنگ سے واپس ہو کر جہادِ اکبر یعنی اپنی تربیت اور اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوم:- جہادِ اصغر یعنی جنگ۔ مذکورہ بالا حدیث سے دشمن کے ساتھ جنگ کا جہادِ اصغر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جہاد بالسیف کے لیے اسلام نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ جب وہ شرائط موجود ہوں گی تو جہاد بالسیف فرض ہو جائے گا اور جب وہ شرائط مفقود ہوں گی تو جہاد بالسیف جائز نہ ہوگا۔

جس طرح سے اسلامی عبادات اور دوسرے احکام، اوقات اور دیگر شرائط کی پابندی سے ادا کیے جاتے ہیں جہاد اور قتال کی بھی مختلف اور معیّن شرائط ہیں جن کے بغیر جہاد فرض نہیں ہوتا۔ فرض نماز اپنے وقت پر ادا ہوتی ہے اور جو وقت پر ادا نہ ہو وہ قضا ہو جاتی ہے لیکن نوافل کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔ ایسے اوقات بھی ہیں جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ لہٰذا نماز کا حکم بھی وضو، طہارت، وقت اور دیگر شرائط کی پابندی کے ساتھ ہے۔ روزہ ماہِ رمضان میں فرض ہے۔ دیگر ایّام میں رکھا جائے تو نفل ہے۔ روزے کی شرائط میں بھی سحری اور افطاری کے اوقات کی پابندی لازمی ہے۔ زکوٰۃ اپنی شرائط کے ساتھ فرض ہے۔ ان شرائط کے بغیر نہیں۔ حج کو دیکھئے وہی ارکان اور مناسکِ حج ایّامِ حج کے علاوہ ادا کیے جائیں تو وہ عمرہ ہوتے ہیں اور اُن سے حج کا فرض ادا نہیں ہوتا۔ حج کی بھی شرائط ہیں جن کے بغیر حج فرض نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت جہاد کی بھی ہے۔ جماعت احمدیہ اس بات کی قائل ہے کہ جہاد خواہ وہ تبلیغ کی صورت میں ہو یا تربیتِ نفس یا قتال کی صورت میں، کسی نہ کسی رنگ میں ہر وقت فرض رہتا ہے اور جماعت احمدیہ نے ہمیشہ اس فرض کو فرض جانا اور پورا کیا۔

تیسری قسم کا جہاد جسے جہادِ اصغر یا قتال کہا گیا اس کی شرائط برطانوی ہند میں موجود نہ تھیں اور یہ بات جماعتِ احمدیہ یا مرزا صاحب کے قول پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مرزا صاحب کے دعوے سے پہلے یہ بات طے ہو چکی تھی اور ہندوستان کے ہر طبقۂ فکر کے علماء مجتہدین حتیٰ کہ مکّہ اور مدینہ کے علماء ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے اور اس بات کو عدالت نے بھی فیصلہ کے صفحہ ۱۴۸ پر تسلیم کیا ہے۔ عدالت کا یہ کہنا غلط ہے کہ جہاد کی عدم فرضیت کے بارے میں ''اکّا دُکّا'' علماء کے فتوے تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت سیّد احمد بریلوی، مولانا محمد اسماعیل شہید، نواب صدیق حسن خان، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہد السیّد علی الحائری، شیخ الہند علامہ نذیر حسین دہلوی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولوی عبدالحی لکھنوی، علامہ شبلی نعمانی اور فقیہانِ مکہ میں سے جمال الدین بن عبداللہ حسین ابن ابراہیم مالکی مفتی مکہ، احمد بن زینی شافعی مفتی مکہ، شمس العلماء مولوی نذیر احمد، سرسیّد احمد خان، مولانا ظفر علی خانصاحب، غرضیکہ عالمِ اسلام کے ہر طبقۂ فکر کے علاوہ مجتہدین اور رائے عامہ کے لیڈر اس بارے میں یک زبان تھے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے اور اس میں جہاد فرض نہیں۔ یہ کسی ''اکّا دُکّا'' فتوے کا معاملہ نہ تھا اور جن بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی مسجد کے عام ملّاں نہ تھے اُن کا قد و قامت عالمِ اسلام میں بہت بلند تھا۔ جو فتویٰ انہوں نے دیا اور جن حالات میں دیا انکا یکجائی طور پر مطالعہ کیا جائے تو صورت یہی اُبھرتی ہے کہ اُن کے نزدیک ہندوستان میں جہاد اس لیے فرض نہ تھا کہ انگریزی حکومت مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کرتی تھی اور ہندوستان کے ہر طبقے کو اپنے مذہب پر عمل کی پوری آزادی حاصل تھی اور یہ بات غلط بھی نہ تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے جہاد کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ صرف یہ تھا کہ جہاد کی شرائط ان کے زمانہ میں سرزمین ہند میں مفقود تھیں۔ اسی لیے یہی فتویٰ دیا کہ اس وقت جہاد جائز نہیں۔ چنانچہ آپ نے لکھا -

> اِنَّ وُجُوْهَ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِىْ هٰذَا الزَّمَنِ وَهٰذِهِ الْبِلَادِ۔ کہ اس زمانے میں اس ملک میں جہاد کے اسباب موجود نہیں۔
> (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۰)

اور اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانے کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں۔ یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کردے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں جہاد تین پہلوؤں سے فرض ہے۔ جہاں مرزا صاحب نے انگریزوں کے خلاف قتال کو ناجائز قرار دیا وہاں مذہبی سطح سے ایک بھرپور جہاد مرزا صاحب نے عیسائیت کے خلاف جاری رکھا۔ اور مرزا صاحب کی وفات پر تبصرہ نگاروں نے اس بناء پر انہیں (اسلام کا فتح نصیب جرنیل) قرار دیا اور یہ تسلیم کیا کہ ''مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابل پر اُن سے ظہور میں آیا ہے قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے'' اور یہ بھی تسلیم کیا کہ ''اس مدافعت نے نہ صرف عیسائی مذہب کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑا دیئے جو سلطنت کے زیرِ سایہ ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا .... بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔''

اور جہاں تک تبلیغ کے جہاد کا تعلق ہے۔ جماعت احمدیہ کے معاند مفکر احرار چوہدری افضل حق کو بھی مرزا صاحب کے بارے میں تسلیم کرنا پڑا کہ :-

"ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا اور ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر واشاعت کے لیے بڑھا اور اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے فرقوں کے لیے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کے تمام اشاعتی فرقوں کے لیے نمونہ ہے۔''

جہاد کے بارے میں مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا وہ قرآن وسُنّت کے عین مطابق تھا اور جہاں تک جہاد کی فرضیت کا سوال ہے مرزا صاحب کے مسلک میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ اور اگر عدالت اس مسئلے کو تفصیلی طور پر زیرِ بحث لاتی تو قرآن حکیم کی آیات اور اُسوۂ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات واضح کی جاتی کہ جہاد کی شرائط کیا ہیں اور کب بصورتِ قتال جہاد فرض ہوتا ہے۔ بہرصورت یہ سوال بھی مسئلہ زیرِ غور سے غیر متعلق تھا اور فیصلے کا یہ حصہ یعنی صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲/ اور ۱۱۰ سے ۱۱۴ تک فیصلے سے حذف کیے جانے کے لائق ہیں۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں اس امر پر بھی طعن کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے حکومتِ برطانیہ کی اپنی تحریرات میں تعریف کی ہے۔ فیصلے کا یہ حصہ بھی معاملہ زیرِ غور سے غیر متعلق تھا۔ مگر مرزا صاحب کی تحریرات کا اُس دور کے حالات کی روشنی میں جائزہ لیا جانا ضروری ہے کہ جب سکھوں کی ظالمانہ حکومت سے نجات پانے کے بعد مسلمان انگریزوں کی عملداری میں مذہبی آزادی اور سکھ کا سانس لے رہے تھے۔ محض یہ بات کہ مرزا صاحب نے ایک غیر مسلم حکومت کی تعریف کی محلِّ اعتراض نہیں ٹھہر سکتی کیونکہ انصاف پسند حکومتوں کی تعریف سنّتِ انبیاء میں سے ہے۔ خود ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو یہی فرمایا کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ صحابہؓ حبشہ تشریف لے گئے وہاں کی عیسائی حکومت میں رہے اس کی اطاعت کرتے رہے۔ اس کے خلاف کوئی بغاوت نہ کی۔ بلکہ جب ملک میں بغاوت ہوئی تو صحابہؓ شاہ حبشہ کی فتح کے لیے رورو کر دعائیں کرتے رہے۔

پس انگریزی سلطنت کی انصاف پسندی کی تعریف شریعت کے مطابق تھی اور عین واجب تھی۔ مگر اسی سلطنت کے عدل گستری کی تعریف کے ساتھ مرزا صاحب اس کے مذہبی اعتقادات کے لیے ساری عمر ایک تیغ برہنہ رہے اور رسولِ خُدا کے مقابلے میں عیسائی پادریوں کی ایسی سرکوبی کی کہ جو اپنی مثال آپ ہے۔

مرزا صاحب کی ان تحریرات کو اپنے سیاق وسباق سے کاٹ کر ان سے خود تراشیدہ مفہوم اور نتائج اخذ کرنا عدالت کا منصب نہ تھا۔ لہٰذا یہ حصہ بھی حذف کیے جانے کے لائق ہے۔ اس بارے میں سینکڑوں صفحات پر پھیلا ہوا لٹریچر اہلِ تحقیق کے لیے ہر وقت ایک کھلی دعوتِ فکر ہے۔ اور ایسا واضح روشن اور صاف ہے کہ جماعت احمدیہ کے معاندین ان واضح حقائق کی تاب نہ لاکر بالآخر جماعت احمدیہ کی تبلیغ پر پابندی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر عدالت کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ایک فریق بن کر دوسرے فریق کے مخالفانہ خیالات کی ترویج واشاعت کے لیے اپنے فیصلے کا دامن کھول دیتی۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں ایک سے زائد مرتبہ ایک بات کو دہرایا کہ مرزا صاحب کے بعض رشتہ دار اُن کے مخالف تھے اور ان کو اپنے دعویٰ میں سچا نہ مانتے تھے اور جھوٹا سمجھتے تھے اور اس سے یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی کہ کیونکہ وہ مرزا صاحب کو بہتر جانتے تھے ان کی رائے زیادہ وقیع ہے مگر عدالت کا یہ استدلال اور استنباط بھی مذہب کی تاریخ کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا جو غلط ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا مامور گزرا ہو جس کو اس کے اپنے قریبی رشتہ داروں نے جھوٹا سمجھ کر ٹھکرا نہ دیا ہو۔ مگر

ہر چند کہ مامورین سب سے پہلے اَنْذِر عشیرتك الْاَقربین کے مصداق اپنے رشتہ داروں کو ہی پیغام حق پہنچاتے ہیں۔ان کا انکار کرنے والوں میں بھی ان کے رشتے دار ہی پیش پیش ہوتے ہیں۔رشتہ داروں کی موافقت یا مخالفت کسی بھی مدعی ماموریت کی سچائی کو پرکھنے کا کوئی معیار نہیں اور یہ ایک منفی اندازِ فکر ہے۔ورنہ حضرت نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا بھی اُن کے دعویٰ کا مکذّب تھا۔اور ابولہب بھی رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رشتہ داروں میں سے ہی تھا مگر ہر ذی ہوش آدمی رسولِ کریمؐ کے بارے میں ابولہب اور ابوجہل کی شہادت کے بجائے ابوبکرؓ کی شہادت کو ہی زیادہ وزن دے گا۔عدالت نے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے مرزا صاحب کے سوانحی لٹریچر سے یہ بات تو اخذ کر لی کہ مرزا صاحب کے بعض رشتہ داران کے دعویٰ کے مکذّب تھے مگر اس بات پر غور نہ کیا کہ حکیم نورالدین بھیروی جن کے علم و فضل کی دھوم پورے ہندوستان اور حرمین شریفین تک تھی اور جن کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ نواب بہاول پوران کو بہاول پور میں قیام کے عوض سینکڑوں ایکڑ اراضی دینے کو تیار تھے۔انہوں نے مرزا صاحب کے دعویٰ کو علی وجہ البصیرت صحیح پایا اور بدل و جان تسلیم کیا۔مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری جن کی اسلامی خدمات کا یہ عالم تھا کہ ان کے بارے میں لوگ یہ گمان کرنے لگے تھے کہ شاید وہی صدی کے مجدّد ہوں گے۔انہوں نے مرزا صاحب کے دعویٰ کو سچا سمجھا۔صاحبزادہ عبداللطیف شہیدِ کابل جن کے علم و فضل کا چرچا پورے افغانستان میں تھا اور ہزاروں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے انہوں نے آپ کو قبول کیا اور اس راہ میں جان تک سے دریغ نہ کیا۔مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور دیگر ایسے بزرگ جو زہد و تقویٰ اور علم و فضل کے بلند مقام پر تھے۔ اس قدوقامت کے بزرگ مرزا صاحب کے دعوے کو پرکھ کر آپ پر ایمان لائے۔عدالت کو نظر آئے تو وہ صرف وہ دو ایک رشتہ دار جو علم و فضل یا تقویٰ و طہارت کے کسی مقام پر نہ تھے۔

عدالت کے فیصلے میں اس طرح کے بکھرے ہوئے زہر آلود فقرے عدالت کے متعصّبانہ رویّے کی نشاندہی کرتے ہیں۔جس کی وجہ سے عدالت کا پورا فیصلہ ہی ردّ کیے جانے کے لائق ٹھہرتا ہے۔مگر یہ حصے جن کا مقدمہ کے مباحث سے کوئی تعلق نہیں تھا یقیناً حذف کیے جانے کے لائق ہیں۔

اندریں حالات استدعا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے مفصّل فیصلہ کے صفحات ۹ سے ۱۵۲ تک کے مذکورہ بالا حصے فیصلہ سے حذف کئے جانے کا حکم صادر فرمایا جاوے۔

سائلان

مجیب الرحمٰن	....	مبشر احمد لطیف
مرزا نصیر احمد	....	حافظ مظفر احمد